ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی کا ترجمان

سہ ماہی

تحقیقات اسلامی

علی گڑھ

ISSN 2321-8339

نکاح کے بغیر جنسی تعلق - نظام خاندان کی تباہی
محمد رضی الاسلام ندوی

قرآن میں ارض وسماء کے مدلولات اور ان کا اعجاز
مولانا انیس الرحمن ندوی

علامہ ابن قیم اور نقد حدیث
ڈاکٹر محمد سلیم

دیگر گروں پر نماز کی ادائیگی کا مسئلہ
ڈاکٹر محمود سلطان کھوکھر

غیبت - اقسام اور حدود
ڈاکٹر زاہدہ شبنم

مفتی محمد سعد اللہ مرادآبادی اور ان کی تصنیف خلاصۃ الانوار
ڈاکٹر تبسم صابر

اندلسی مسلمانوں کا دور مظلومی
مولانا صاحب عالم ندوی

کیا مکی عہد کی ابتدا میں دعوت خفیہ تھی؟
جناب سید حامد عبدالرحمن الکاف

تعارف وتبصرہ
مولانا محمد جرجیس کریمی

ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی، علی گڑھ

ادارۂ تحقیق وتصنیفِ اسلامی کا ترجمان

سہ ماہی

تحقیقاتِ اسلامی

علی گڑھ

اکتوبر ـــــــــــــــــ دسمبر ۲۰۱۳ء

مدیر

سیّد جلال الدین عمری

معاون مدیر

محمد رضی الاسلام ندوی

نبی نگر (جمال پور)، پوسٹ بکس نمبر ۹۳، علی گڑھ-۲۰۲۰۰۲

Nabi Nagar (Jamalpur) P.O.Box: 93, ALIGARH-202002 (INDIA)

ISSN: 2321-8339

سہ ماہی تحقیقاتِ اسلامی علی گڑھ

جلد: ۳۲ شمارہ: ۴

ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ ——— صفر ۱۴۳۵ھ

اکتوبر ——— دسمبر ۲۰۱۳ء

تحقیقاتِ اسلامی کے تمام شمارے www.tahqeeqat.net پر ملاحظہ کریں

ادارتی امور

موبائل : 09582050234

ای میل : tahqeeqat@gmail.com

mrnadvi@yahoo.com

انتظامی امور

فون : 0571-2902034

موبائل: 09897655171

ای میل: tahqeeqateislami@gmail.com

tahqeeqat_islami@yahoo.com

زرِ تعاون

اندرونِ ملک

فی شمارہ	۳۰ روپے
سالانہ	۱۲۰ روپے
پانچ سال کے لیے	۵۰۰ روپے
سالانہ (لائبریریاں وادارے)	۱۵۰ روپے

برائے پاکستان

سالانہ (انفرادی)	۲۰ ڈالر امریکی
سالانہ (ادارے)	۲۵ ڈالر امریکی

برائے دیگر ممالک

سالانہ (انفرادی)	۲۵ ڈالر امریکی
سالانہ (ادارے)	۳۰ ڈالر امریکی

طابع وناشر سید جلال الدین عمری نے بھارت آفسیٹ دہلی-۶ سے چھپواکر
ادارۂ تحقیق وتصنیفِ اسلامی، نبی نگر (جمال پور) علی گڑھ سے شائع کیا

فہرست مضامین

حرف آغاز

نکاح کے بغیر جنسی تعلق- نظامِ خاندان کی تباہی — محمد رضی الاسلام ندوی — ۵

تحقیق وتنقید

قرآن میں ارض وسماء کے مدلولات اور ان کا اعجاز — مولانا انیس الرحمٰن ندوی — ۲۱

علامہ ابن قیم اور نقدِ حدیث — ڈاکٹر محمد سلیم — ۴۷

بحث ونظر

دیگر کروں پر نماز کی ادائیگی کا مسئلہ — ڈاکٹر محمود سلطان کھوکھر — ۶۱

غیبت- اقسام اور حدود — ڈاکٹر زاہدہ شبنم — ۷۱

سیر وسوانح

مفتی محمد سعداللہ مرادآبادی اور ان کی تصنیف خلاصۃ النوادر — ڈاکٹر تبسم صابر — ۸۵

ترجمہ وتلخیص

اندلسی مسلمانوں کا دورِ مظلومی — مترجم: مولانا صاحب عالم ندوی — ۹۳

نقد واستدراک

کیا مکی عہد کی ابتدا میں دعوت خفیہ تھی؟ — جناب سید حامد عبدالرحمٰن الکاف — ۱۰۹

تعارف وتبصرہ

شاہ ولی اللہ دہلوی کی قرآنی خدمات — مولانا محمد جرجیس کریمی — ۱۱۳

خبرنامہ ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی(۴۹) — ادارہ — ۱۱۵

فہرست مضامین ومضمون نگاران تحقیقات اسلامی علی گڑھ، جلد۳۲، ۲۰۱۳ء — ۱۱۷

اس شمارے کے لکھنے والے

۱- مولانا انیس الرحمٰن ندوی
جنرل سکریٹری، فرقانیہ اکیڈمی وقف، بنگلور
anees_nadvi2003@yahoo.com

۲- ڈاکٹر محمد سلیم
ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبۂ دینیات، مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ
msaleem196330@gmail.com

۳- ڈاکٹر محمود سلطان کھوکھر
پروفیسر شعبۂ علوم اسلامیہ، بہاءالدین زکریا یونی ورسٹی، ملتان (پاکستان)

۴- ڈاکٹر زاہدہ شبنم
اسسٹنٹ پروفیسر، لاہور کالج برائے خواتین یونی ورسٹی، لاہور
zsamjad_2009@yahoo.com

۵- ڈاکٹر تبسم صابر
معرفت جناب صابر رضا خاں، جھولے والی املی، ڈگری کالج روڈ، رام پور (یوپی)
tabassumsabir@gmail.com

۶- مولانا صاحب عالم اعظمی ندوی
ریسرچ اسکالر، جامعہ قاہرہ، مصر
alamazami786@gmail.com

۷- جناب سید حامد عبدالرحمٰن الکاف
صنعاء (یمن)
goodtree.publication@gmail.com

۸- مولانا محمد جرجیس کریمی
رکن ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی، علی گڑھ
jarjees.karimi@yahoo.com

۹- محمد رضی الاسلام ندوی
سکریٹری تصنیفی اکیڈمی، جماعت اسلامی ہند، نئی دہلی- ۲۵

نکاح کے بغیر جنسی تعلق - نظامِ خاندان کی تباہی

محمد رضی الاسلام ندوی

خاندان کی اہمیت و افادیت عہد قدیم سے مسلّم رہی ہے اور اسے سماج کا ایک اہم ادارہ سمجھا گیا ہے۔ اسی بنا پر دنیا کی تمام تہذیبوں، ملکوں اور خطوں میں انسان خاندانی نظام کے تحت زندگی گزارتے رہے ہیں، لیکن موجودہ دور میں مختلف اسباب سے یہ ادارہ معرضِ خطر میں ہے۔ ان دنوں انسانیت جن سنگین مسائل سے دوچار ہے ان میں سے ایک خاندان کی تباہی و بربادی ہے۔ بے محابا آزادی، خود غرضی، مفاد پرستی، شہوت رانی، مادیت کے غلبے اور مال و دولت کی حرص نے اس مقدّس ادارہ کو بری طرح شکست و ریخت سے دوچار کر دیا ہے، خاندان کی ذمہ داریوں سے فرار کی راہیں تلاش کی جارہی ہیں، یہاں تک کہ اب اس کی ضرورت سے بھی انکار کیا جانے لگا ہے۔

اس رجحان کو اصطلاحی طور پر Live in Relationship یا Cohabitation کہا گیا ہے۔ اس کا مطلب ہے کسی مرد اور عورت کا ایک ساتھ رہتے ہوئے زندگی گزارنا۔ اس کا اطلاق ان جوڑوں پر کیا جاتا ہے، جو نکاح کے بغیر ایک ساتھ رہنے لگیں۔ ان کی یہ معاشرت عارضی اور چند روزہ بھی ہوسکتی ہے اور اس میں پائیداری بھی ممکن ہے کہ وہ طویل زمانے تک ایک ساتھ رہیں۔ اس عرصے میں ان کے درمیان جنسی تعلق بھی قائم رہتا ہے، جس کے نتیجے میں بسا اوقات بچے بھی ہوجاتے ہیں، لیکن میاں بیوی کی طرح رہنے کے باوجود ان کے درمیان نکاح کا معاہدہ نہیں ہوتا، جس کی بنا پر ان میں سے ہر ایک کو اختیار رہتا ہے کہ جب بھی اس کی مرضی ہو علیٰحدگی اختیار کرلے۔ نکاح نہ ہونے کی وجہ سے وہ اپنے ساتھی کے تعلق سے ہر طرح کی ذمہ داریوں سے آزاد رہتا ہے اور اس پر کوئی قانونی بندش نہیں ہوتی۔

عالمی صورتِ حال

نصف صدی قبل تک دنیا کے بیش تر حصوں میں نکاح کے بغیر جنسی تعلق کو سخت ناپسندیدہ سمجھا جاتا تھا اور زیادہ تر ممالک کے دستوروں اور قوانین میں اسے غیر قانونی قرار دیا گیا تھا، لیکن اس کے بعد صورت حال بہت تیزی سے تبدیل ہونے لگی اور خاندان کی پابندیوں سے آزاد رہ کر زندگی گزارنے کا رجحان پرورش پانے لگا، جس میں برابر اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ یہاں تک کہ اب اس نے انتہائی خطرناک اور بھیانک صورت اختیار کرلی ہے۔ اس کا اندازہ اس سلسلے میں مختلف ممالک کے بارے میں جاری ہونے والے اعداد وشمار سے لگایا جاسکتا ہے۔

امریکا میں ۱۹۶۰ء سے قبل تقریباً چار لاکھ پچاس ہزار جوڑے بغیر نکاح کے ایک ساتھ رہتے تھے۔ ۲۰۰۰ء تک ایسے لوگوں کی تعداد میں دس گنا اضافہ ہوگیا، یہاں تک کہ ۲۰۱۱ء میں ان کی تعداد تقریباً ساڑھے سات ملین تک پہنچ گئی۔ ۲۰۰۹ء میں U.S. Census Bureau نے American Community Survey کروایا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ تیس (۳۰) سے چوالیس (۴۴) سال کی درمیانی عمر کے مرد اور خواتین، جو نکاح کے بغیر ایک ساتھ رہتے ہیں، ان کا تناسب ۱۹۹۹ء میں چار (۴) فی صد تھا، جواب سات (۷) فی صد ہوگیا۔ خواتین کا الگ سے کیے جانے والے سروے کا نتیجہ یہ تھا کہ کہ انیس (۱۹) سے چوالیس (۴۴) سال کی درمیانی عمر کی ایسی خواتین، جو نکاح کے بغیر کسی مرد کے ساتھ رہتی ہوں، ان کا تناسب ۱۹۸۷ء میں تینتیس (۳۳) فی صد تھا، جواب بڑھ کر اٹھاون (۵۸) فی صد ہوگیا۔ برطانیہ کے Office for National Statistics کے مطابق وہاں ۲۰۱۲ء میں بغیر نکاح کے ایک ساتھ رہنے والے جوڑوں کی تعداد 9.5 ملین تھی، جو ۱۹۹۶ء میں ان کی تعداد کی دوگنی تھی۔ یہی حال یورپی ممالک کا ہے۔ ۲۰۱۱ء میں یورپی یونین کے ستائیس (۲۷) ممالک میں پیدا ہونے والے بچوں میں 39.5 فی صد ایسے تھے، جن کی ولادت بغیر نکاح کے جنسی تعلق کے نتیجے میں ہوئی تھی۔

یہ وبا مغربی ممالک کے ساتھ اب مشرقی ممالک میں بھی تیزی سے پھیل رہی ہے۔

National Institute of Population and Social Security Research Japan

کے مطابق پچیس (۲۵) سے انتیس (۲۹) سال کی درمیانی عمر کی خواتین کی تقریباً تین (۳) فی صد تعداد اس وقت جاپان میں بغیر نکاح کے مردوں کے ساتھ رہ رہی ہے اور بیس (۲۰) فی صد خواتین ایسی ہیں جنھوں نے اپنی زندگی میں کبھی نہ کبھی بغیر نکاح کے جنسی تعلق کا تجربہ کیا ہے۔ فلپائن میں ۲۰۰۴ء میں بیس (۲۰) سے چوبیس (۲۴) سال کی درمیانی عمر کے تقریباً ڈھائی ملین افراد (مرد و خواتین) بغیر نکاح کے ایک ساتھ رہ رہے تھے۔ Live in Relationship اختیار کرنے والے جوڑوں کا تناسب آسٹریلیا میں ۲۰۰۵ء میں وہاں کی آبادی کا بائیس (۲۲) فی صد اور نیوزی لینڈ میں ۲۰۰۱ء میں وہاں کی مجموعی آبادی کا اٹھارہ (۱۸) فی صد تھا۔[1] یہ صرف چند ممالک کے اعداد و شمار ہیں۔ دیگر ممالک کا حال اس سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے۔

ہندوستان کا حال

ہندوستان زمانۂ قدیم سے ایک مذہبی اور اخلاقی روایات کا احترام کرنے والا ملک رہا ہے۔ یہاں مختلف مذاہب، اقوام و قبائل اور ثقافتوں سے تعلق رکھنے والے لوگ رہتے بستے ہیں۔ یہ سب خاندانی نظام کے قائل رہے ہیں۔ ان کے نزدیک نکاح کو اعتبار و استناد حاصل رہا ہے اور نکاح کے بغیر جنسی تعلق کو سخت ناپسندیدہ اور گھناؤنا کام سمجھا جاتا رہا ہے۔ لیکن اباحیت، فحاشی اور آوارگی میں روز افزوں اضافہ کی وجہ سے اب یہاں بھی Live in Relationship کو گوارا کیا جانے لگا ہے۔ نہ صرف یہ کہ اس کی شناعت کے احساس میں کمی آئی ہے، بلکہ اس کو قانونی جواز دینے کی باتیں بھی کی جانے لگی ہیں۔

ہندوستان میں کتنے جوڑے بغیر نکاح کے ایک ساتھ رہتے ہیں؟ اس کے اعداد و شمار دست یاب نہیں ہیں، لیکن مختلف رپورٹوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ رجحان یہاں بہت تیزی سے فروغ پا رہا ہے اور خاص طور سے میٹروشہروں میں رہنے والے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں اس کی طرف مائل ہو رہے ہیں۔

ہندوستان کی پارلیمنٹ کا رجحان بھی اس کی خاموش تائید و حمایت کی طرف ہے اور یہاں کی عدالتیں اسے قانونی جواز فراہم کرنے کے لیے کوشاں ہیں۔ خواتین کو گھریلو تشدّد سے

---

[1] ملاحظہ کیجیے wikipedia.org/wiki/cohabitation

محفوظ رکھنے کے لیے ۲۰۰۵ء میں ایک قانون منظور کیا گیا، جسے Protection of Women from Domestic Violence Act کا نام دیا گیا ہے۔اس کے دائرے میں ان خواتین کو بھی شامل کیا گیا ہے جو بغیر نکاح کے مردوں کے ساتھ رہتی ہوں۔ ان کے باہمی جنسی تعلق کو Relationship in the Nature of Marriage (نکاح کی نوعیت کا تعلق) قرار دیا گیا ہے۔اس قانون میں ایسی عورتوں کو، ان پر گھریلو تشدد ہونے کی صورت میں، بعض مالی اور دیگر سہولیات کی ضمانت دی گئی ہے۔

سپریم کورٹ کی ایک بنچ نے ۲۳/ مارچ ۲۰۱۰ء میں S.Khushboo vs Kanniammal کے کیس میں یہ رولنگ دی کہ بالغ مرد اور عورت بغیر نکاح کے بھی ایک ساتھ رہ سکتے ہیں، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔فاضل ججوں نے ساتھ ہی اپنے ان احساسات کا اظہار کرنا بھی ضروری سمجھا:

> "When two adult People want to live togather, what is offence? Does it amount an offence? Living togather is not an offence. It can not be an offence"
>
> ''اگر دو جوان (مرد اور عورت) ایک ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو اس میں جرم کیا ہے؟ یہ معاملہ جرم تک کہاں پہنچتا ہے؟ ایک ساتھ رہنا جرم نہیں ہے۔ یہ جرم ہو بھی نہیں سکتا''۔

۱۳/اگست ۲۰۱۰ء کو Madan Mohan singh vs Rajni Kant کیس میں سپریم کورٹ کی ایک بنچ نے یہ رائے دی کہ کوئی مرد اور عورت اگر لمبے عرصے تک بغیر نکاح کے ایک ساتھ رہیں تو ان کے تعلق کو 'نکاح پر مبنی تعلق' کے مثل مانا جاسکتا ہے۔ایک دوسرے کیس (Bharata Matha vs R. Vijaya) میں سپریم کورٹ کی ایک بنچ نے فیصلہ دیا کہ Live in Relationship کے نتیجے میں اگر کوئی اولاد ہوتی ہے تو اسے اپنے باپ اور ماں دونوں کی جانب سے وراثت کے حقوق حاصل ہوں گے۔

سپریم کورٹ کی ایک بنچ نے ۲۱/ اکتوبر ۲۰۱۰ء کو D. Velusamy vs D.

Patchaiammal کے کیس میں رائے دی کہ Demestic Violence Act 2005 کے تحت درج ذیل شرائط پوری کرنے پر دو افراد کے Live in Relationship کو نکاح کی حیثیت دی جاسکتی ہے:

(۱) وہ دونوں سماج کی نگاہوں میں میاں بیوی کی طرح رہتے ہوں۔

(۲) وہ اس عمر کو پہنچ گئے ہوں جو قانونی طور پر نکاح کے لیے ضروری قرار دی گئی ہے۔

(۳) بغیر نکاح کے ساتھ رہتے ہوئے وہ اس لائق ہوں کہ ان کے درمیان قانونی طور پر نکاح ہوسکتا ہو۔

(۴) وہ رضا کارانہ طور پر ایک ساتھ رہتے ہوں اور انھوں نے ایک قابل لحاظ مدت تک 'مشترکہ رہائش' اختیار کی ہو۔[۱]

اس تفصیل سے ہندوستانی عدلیہ کے رجحان کا بہ خوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ کس طرح Live in Relationship کو نکاح جیسی قانونی حیثیت دینے کے لیے بے تاب ہے۔

اسباب اور قائلینِ جواز کے دلائل

خاندان کی قید و بند سے فرار اور بغیر نکاح کے آزادانہ رہن سہن کے مختلف اسباب بیان کیے جاتے ہیں۔ اسی طرح جو لوگ اس رجحان کی حمایت کرتے ہیں اور اسے قانونی حیثیت دینے کے لیے کوشاں ہیں وہ اس کے مختلف دلائل پیش کرتے ہیں۔ ذیل میں ان کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

(۱) جس مرد اور عورت کا آپس میں نکاح ہوتا ہے، ان کے درمیان عموماً پہلے سے تعارف نہیں ہوتا اور اگر ہوتا ہے تو بہت معمولی۔ وہ ایک دوسرے کی عادات و اطوار، مزاج، رہن سہن کے انداز اور دیگر باتوں سے واقف نہیں ہوتے۔ بغیر نکاح کے ساتھ رہنے کا مقصد ایک دوسرے سے تفصیلی واقفیت حاصل کرنا اور یہ جائزہ لینا ہوتا ہے کہ کیا وہ آئندہ زندگی ایک ساتھ رہ کر گزار سکتے ہیں؟ بعض سروے رپورٹوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بغیر نکاح کے ایک ساتھ رہنے والے افراد میں سے تین چوتھائی سے زیادہ یہی کہتے ہیں کہ نکاح سے قبل ان کا

---

[۱] تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے wikipedia.org/wiki/cohabitation_in_India

ساتھ رہنا نکاح کا پیش خیمہ ہے۔

(۲) نکاح کے بندھن میں بندھ کر اگر کوئی مرد اور عورت ایک ساتھ زندگی گزاریں گے تو کچھ عرصہ کے بعد ناپسندیدگی یا کسی اور وجہ سے الگ ہونے میں قانونی رکاوٹیں اور رواجی بندشیں ہوں گی۔ اس لیے زیادہ بہتر صورت یہ ہے کہ بغیر نکاح کے وہ ایک ساتھ رہیں اور جب ان کا جی بھر جائے، ایک دوسرے سے علیٰحدہ ہوجائیں اور اپنی اپنی راہ لیں۔

(۳) کچھ لوگوں کی آمدنی محدود ہوتی ہے یا وہ اپنی معاشیات کے بارے میں غیر یقینی صورت حال سے دوچار رہتے ہیں۔ وہ شادی میں تاخیر کرتے ہیں، یا بسا اوقات شادی ہی نہیں کرتے۔ اس لیے کہ وہ نکاح کے مصارف برداشت کرنے میں دشواری محسوس کرتے ہیں، یا انھیں اندیشہ رہتا ہے کہ اگر نکاح کے بعد رشتہ پائیدار نہ رہ سکا اور اس کا طلاق پر خاتمہ ہوا تو وہ مالی مشکلات کا شکار ہوجائیں گے۔ یہ لوگ اسی میں عافیت سمجھتے ہیں کہ نکاح کے بغیر صنفِ مخالف کے ساتھ کچھ وقت گزار لیں۔

(۴) بعض نوجوان لڑکے یا لڑکیاں اعلیٰ تعلیم کے حصول یا ملازمتوں کے لیے وطن سے دور کہیں عارضی طور پر مقیم ہوتے ہیں اور مختلف اسباب سے ان کے لیے ابھی نکاح کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ چنانچہ وہ نکاح کے بغیر ایک ساتھ رہنے لگتے ہیں۔

(۵) کوئی شخص شادی شدہ ہو اور وہ کسی وجہ سے دوسرا نکاح کرنا چاہتا ہو، لیکن قانون پہلی بیوی کے رہتے ہوئے دوسرے نکاح کی اجازت نہ دیتا ہو تو وہ بغیر نکاح کے دوسری عورت کے ساتھ رہنے لگتا ہے۔

(۶) کچھ مرد اور خواتین نکاح کو فرسودہ روایت سمجھتے ہیں اور خود کو اس کا اسیر نہیں بنانا چاہتے۔ وہ اسی چیز کو دانش مندی سمجھتے ہیں کہ نکاح کے بندھن میں بندھے بغیر جس کے ساتھ چاہیں کچھ وقت گزار لیں اور جب اس سے جی بھر جائے تو اسے چھوڑ کر دوسرے سے رشتہ استوار کرلیں۔

نظامِ خاندان- فطرت کا تقاضا

حقیقت یہ ہے کہ انسانی فطرت خاندانی نظام کے تحت زندگی گزارنے کا تقاضا کرتی

ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قدیم ترین زمانے سے آج تک تمام انسانی معاشرے اس پر عمل پیرا رہے ہیں اور موجودہ دور کی اباحیت پسند اور مادہ پرست تہذیب کے غلبے سے قبل کسی نے اس کا انکار نہیں کیا ہے اور نظامِ خاندان کو کم زور کرنے کی کوشش نہیں کی ہے۔

نسلِ انسانی کی بقا اور تسلسل کے لیے ضروری ہے کہ مرد اور عورت کا صنفی تعلق پائیدار بنیادوں پر قائم ہو۔ دونوں محض اپنی شہوانی خواہش کی تکمیل اور حصولِ لذّت کے لیے باہم ملنے، پھر الگ ہوجانے کے معاملے میں آزاد نہ ہوں، بلکہ ان کے درمیان ایسا مستحکم تعلق ہو جو معاشرہ میں معروف ہو اور اس کے تحفظ کی ضمانت بھی دی گئی ہو۔ اس لیے کہ ان سے جو اولاد ہوگی وہ اپنی زندگی، نگہ داشت اور تربیت کے لیے بہت زیادہ توجہ، نگرانی، خبر گیری اور سرپرستی چاہتی ہے۔ اس کام میں اگر مرد ساتھ نہ دے تو تنہا عورت اسے صحیح طریقے سے انجام نہیں دے سکتی۔

اسی مقصد کے لیے فطرت نے مرد اور عورت کے درمیان صنفی کشش رکھی ہے۔ اسی غرض سے وہ باہم ملتے ہیں، پھر جب اولاد ہوتی ہے تو دونوں کے دلوں میں اس کی محبت ڈال دی جاتی ہے۔ دونوں مل کر اس کی پرورش کرتے ہیں، اس کی بنیادی ضروریات کی تکمیل کرتے ہیں اور اسے زندگی کی دوڑ دھوپ کے قابل بناتے ہیں۔

نکاح کے بغیر جنسی تعلق سے فطرت کے یہ تقاضے پامال ہوتے ہیں، اس لیے کہ اس سے محض لذّت کوشی اور شہوانی جذبات کی تسکین مقصود ہوتی ہے، نسل انسانی کا تسلسل پیش نظر نہیں ہوتا اور اگر اتفاقاً حمل ٹھہر جائے اور بچہ پیدا ہوجائے تو مرد اس کی سرپرستی قبول کرنے اور اس کی تربیت و کفالت کا بار اٹھانے پر آمادہ نہیں ہوتا۔

تمدن کی ترقی خاندانی نظام پر منحصر ہے

خاندانی نظام اس لیے بھی ضروری ہے کہ اس کے بغیر تمدن کی ترقی ممکن نہیں۔ تمدن کا وجود ہی اس وقت ہوتا ہے جب ایک مرد اور عورت مل کر ایک گھر بناتے اور خاندان کی تشکیل کرتے ہیں۔ اولاد ہوتی ہے اور خاندان وسیع ہوتا ہے تو اس کے دائرے میں والدین اور دوسرے رشتے دار آجاتے ہیں۔ بہت سے خاندان وجود میں آتے ہیں اور ان کے درمیان

رابطے پیدا ہوجاتے ہیں۔اس طرح اجتماعی زندگی شروع ہوتی ہے اور تمدن پروان چڑھتا ہے۔ لیکن اگر مردوں اور عورتوں پر خودغرضی اور انفرادیت پسندی غالب رہے اور وہ خود کو محض اپنے شہوانی جذبات کی تسکین اور لطف ولذت کی تحصیل تک محدود رکھیں اور خاندان کی تشکیل سے دل چسپی نہ لیں تو اجتماعی زندگی کی جڑ ہی کٹ جاتی ہے اور وہ بنیاد ہی باقی نہیں رہتی جس پر تمدن کی عمارت قائم ہوسکے۔

خاندان انسان کو حیوان سے ممتاز کرتا ہے

خاندان انسانی زندگی کا خاصّہ ہے۔ وہ انسانوں کو حیوانات سے ممتاز کرتا ہے۔ حیوانات میں بھی جنسی جذبات پائے جاتے ہیں، جن کے تحت ان کے نر اور مادہ ملتے ہیں۔اس کے نتیجے میں بچے پیدا ہوتے ہیں اور ان کی نسل چلتی ہے۔لیکن حیوانات میں جنسی اتصال کے بعد ان کے نر کا مادہ اور اور بچے سے کوئی تعلق باقی نہیں رہتا، یا اگر رہتا ہے تو بہت کم زور سا۔ مادہ اپنی نئی نسل کی پرورش اور حفاظت کرتی ہے، وہ بھی صرف اس حد تک کہ وہ زندہ رہ سکے۔ اس کے بعد وہ ایک دوسرے کے لیے اجنبی بن جاتے ہیں۔اس کے برعکس انسانوں کے باہمی رشتے میں پائیداری پائی جاتی ہے۔ مرد اور عورت بامقصد طریقے پر جنسی تعلق قائم کرتے ہیں۔ ان سے جو اولاد ہوتی ہے، دونوں مل کر طویل عرصے تک اس کی پرورش و پرداخت کرتے ہیں۔ ان کے درمیان الفت ومحبت، ہمدردی آخر تک قائم رہتی ہے۔ وہ دوسروں کے حقوق کی پاس داری اور اپنی ذمہ داریوں کی ادائی کا خیال رکھتے ہیں۔

انسانوں میں جو لوگ اپنے تعلقات کو صرف جنسی جذبہ کی تسکین تک محدود کرلیتے ہیں اور خاندان کی تشکیل اور اپنی نسل کی پرورش ونگہ داشت سے کوئی سروکار نہیں رکھتے، وہ حقیقت میں خود کو انسانیت کے بلند مرتبے سے حیوانیت کے پست درجے میں گرا لیتے ہیں۔

عورت کا سراسر خسارہ

بچے کی پیدائش اور پرورش و پرداخت میں عورت کا کردار مرد سے کہیں بڑھ کر ہوتا ہے۔ مرد کا کام اصلاً صرف تخم ریزی ہے۔جنسی تعلق قائم کرکے وہ الگ ہوجاتا ہے، آگے کے تمام

مراحل عورت کو تنہا سر انجام دینے پڑتے ہیں۔ وہ نو مہینے بچے کو اپنے پیٹ میں رکھتی اور اپنے خون سے اس کی پرورش کرتی ہے۔ وضع حمل کے بعد دو سال تک مسلسل اسے اپنا دودھ پلاتی ہے۔ بچہ انتہائی کم زور اور لاغر پیدا ہوتا ہے اور بھرپور نگہ داشت کا محتاج ہوتا ہے، وہ اپنا آرام و سکون تج کر جی جان سے اس کی نشو ونما میں لگی رہتی ہے۔ اسے یہ خدمت طویل عرصے تک انجام دینی پڑتی ہے۔ معاہدۂ نکاح کے نتیجے میں مرد کا عورت اور بچے سے تعلق مسلسل قائم رہتا ہے۔ وہ عورت کو ہر ممکن مدد اور تعاون فراہم کرتا ہے، اس کی کفالت کا بار اٹھاتا ہے، اس کی ضروریات پوری کرتا ہے، اس کی سرپرستی اور نگرانی میں عورت سکون واطمینان کے ماحول اور الفت ومحبت کی فضا میں اپنے کار ہائے مفوّضہ انجام دیتی ہے۔ دونوں مل کر بچے کی جسمانی، ذہنی اور اخلاقی تربیت کرتے ہیں۔ اگر نکاح کا مضبوط بندھن نہ ہو تو مرد بہ طیب خاطر اس ذمہ داری کو قبول نہیں کرسکتا اور اگر وہ اس سے انکار کردے تو کسی طرح بھی اسے اس کا پابند نہیں بنایا جاسکتا۔ اس صورت میں عورت کا سراسر خسارہ ہے۔ مرد تو چند لمحات اس کے ساتھ گزار کر الگ ہوجائے گا اور وہ ساری مشقتیں اور پریشانیاں تنہا جھیلنے کے لیے مجبور ہوگی۔ ماہرینِ سماجیات نے اس بے اعتدالی، ناانصافی اور ظلم کو محسوس کیا ہے اور اس پر اپنی بے اطمینانی کا اظہار کیا ہے۔ ڈاکٹر پارول شرما نے Live in Relationship کے بارے میں ملکی اور بین الاقوامی صورت حال کا جائزہ لینے کے بعد آخر میں اپنے احساسات ان الفاظ میں بیان کیے ہیں:

> ”یہ ایک حسّاس مسئلہ ہے۔ لوگ اب بڑی تعداد میں Live in Relationship کی طرف مائل ہو رہے ہیں اور مختلف اسباب سے اس طریقۂ معاشرت کو رواج مل رہا ہے، لیکن نوجوان نسل، خاص طور پر مرد اس 'رشتہ' کو سنجیدگی سے نہیں لیتے اور زندگی کے خوش گوار ایام آنے سے قبل ہی اپنے ساتھی سے بے وفائی کر بیٹھتے ہیں اور اس سے لاتعلق ہوجاتے ہیں۔ اس کا نتیجہ مایوسی، غصہ اور ذہنی دباؤ کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور معاملہ بسا اوقات خودکشی تک جا پہنچتا ہے“۔[۱]

---

[۱] VSRD International Journal of Technical and Non- Technical Research, Vol.IV, Issue VIII, August 2013, Article: Live in Relationship : A Comparative Approach, by Parul Solanki Sharma, Asstt. Prof. School of Law, FIMT, GGSIPU, New Delhi, p.199

بے قید معاشرت کے تلخ نتائج

نکاح ایک مضبوط بندھن ہے، جو مرد، عورت، بچوں اور خاندان کے دیگر افراد کو ایک دوسرے سے مربوط رکھتا ہے۔ ان کے درمیان محبت، ایثار، ہم دردی، خیر خواہی اور تعاون کے جذبات پروان چڑھاتا ہے۔ انھیں ایک دوسرے کی مدد کرنے، ان کی ضروریات پوری کرنے اور ان کے کام آنے پر ابھارتا ہے۔ یہ بندھن نہ ہو تو افراد خود غرضی، ذاتی مفاد اور مطلب براری کے لیے ایک دوسرے سے قریب ہوتے ہیں اور اپنی ضرورت پوری ہوتے ہی ایک دوسرے سے لاتعلق ہو جاتے ہیں۔ ہر ایک کو صرف اپنا مفاد عزیز ہوتا ہے اور دوسرے کا استحصال کرتے ہوئے اسے ذرا بھی شرم نہیں آتی۔ اس صورت حال سے سب سے زیادہ متاثر وہ بچے ہوتے ہیں جو بے قید جنسی تعلق کے نتیجے میں پیدا ہوتے ہیں۔ ان کی صحیح ڈھنگ سے پرورش نہیں ہو پاتی، وہ اچھی تربیت، عمدہ اخلاق اور صحیح خطوط پر شخصیت کی تعمیر سے محروم رہتے ہیں، گھر کا سکون اور خاندان کی پر امن فضا انھیں میسر نہیں آتی، اس بنا پر وہ سماج میں انتشار، فواحش و منکرات اور بے حیائی پھیلنے کا باعث بنتے ہیں۔ الغرض بے قید معاشرت کے نتیجے میں تمدن کا شیرازہ بکھرنے لگتا ہے، افراد کی زندگیاں تلخ ہو جاتی ہیں اور پورا معاشرہ دائمی اضطراب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ آج پوری دنیا میں اور خاص طور پر مغربی معاشروں میں ہم اس کا نمونہ اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

موہوم فائدے

نظامِ خاندان کی مخالفت کرنے والے اور بغیر نکاح کے جنسی تعلق کو جواز فراہم کرنے والے اس کے جو فائدے بیان کرتے ہیں وہ موہوم اور خیالی ہیں، ان کا حقیقت سے دُور کا بھی واسطہ نہیں۔ لیکن بالفرض اگر انھیں تسلیم کر لیا جائے تو تمدن پر اس کے جو دُور رس اور بھیانک اثرات مرتب ہوتے ہیں وہ بڑے عبرت انگیز اور تشویش ناک ہیں۔ اس لیے دانش مندی کا تقاضا ہے کہ اس سے احتراز کیا جائے اور اس رجحان کو ختم کرنے کی تدابیر اختیار کی جائیں۔

اس کا سب سے بڑا فائدہ- جیسا کہ عرض کیا گیا- یہ بیان کیا جاتا ہے کہ نکاح سے

قبل ایک ساتھ رہنے سے ایک دوسرے کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ اس لیے اگر کچھ عرصہ ایک ساتھ گزار کر نکاح کیا جائے گا تو اس رشتے میں پائیداری رہے گی، لیکن یہ بات حقیقت سے بعید ہے۔ National Centre for Health Statistics نے بارہ ہزار پانچ سو اکہتر (۱۲،۵۷۱) افراد کی اسٹڈی کی، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جو مرد اور عورت اس ارادہ سے ایک ساتھ رہے کہ آئندہ نکاح کر لیں گے، یا رشتہ طے ہو جانے کے بعد نکاح سے قبل انھوں نے کچھ وقت ایک ساتھ گزارا، ان میں علیٰحدگی کے امکانات اتنے ہی رہے جتنے ان جوڑوں میں تھے جنھوں نے نکاح سے قبل ایک ساتھ زندگی نہیں گزاری تھی۔[۱]

اسلام کا نقطۂ نظر

اسلام نظامِ خاندان کا حامی ہے، اس لیے وہ اسے مستحکم کرنے کی مختلف تدابیر اختیار کرتا ہے اور اسے کم زور کرنے والے اسباب کو دفع کرنے کی بھرپور کوشش کرتا ہے۔ ذیل میں اسلام کے نقطۂ نظر کی کسی قدر وضاحت کی جارہی ہے:

خاندان اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے

اسلام خاندان کو ایک سماجی ضرورت ہی نہیں قرار دیتا، بلکہ اس کا ایک دینی تقاضے کی حیثیت سے ذکر کرتا ہے۔ قرآن میں صراحت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے جو پیغمبر بھیجے ہیں انھوں نے خاندانی زندگی گزاری ہے اور اس کے تقاضے پورے کیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلاً مِّن قَبْلِکَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجاً وَذُرِّيَّةً۔ (الرعد:۳۸)

تم سے پہلے بھی ہم بہت سے رسول بھیج چکے ہیں اور ان کو ہم نے بیوی بچوں والا ہی بنایا تھا۔

وہ بیوی بچوں کو انسان کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک قرار دیتا ہے۔ اسی لیے اللہ کے نیک بندوں کی زبانی یہ دعا کرنے کی تلقین کی گئی ہے:

---

[۱] Jayson, Sharon, "Report: Cohabiting has little effect on marriage Success", USA Today, October 14,2010

رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَاماً ۔ (الفرقان:۷۴)

اے ہمارے رب! ہمیں اپنی بیویوں اور اپنی اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک دے اور ہم کو پرہیزگاروں کا امام بنا۔

آباد خاندان، جس میں بیوی، لڑکے لڑکیاں، پوتے پوتیاں، نواسے نواسیاں اور دیگر رشتے دار ہوں اور آدمی ان کے درمیان رہ کر خوشی و مسرت، سکون و اطمینان اور کیف و فرحت محسوس کرے، اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے، جس پر اس کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے، کم ہے۔ قرآن کہتا ہے:

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجاً وَّجَعَلَ لَكُم مِّنْ أَزْوَاجِكُم بَنِينَ وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُم مِّنَ الطَّيِّبٰتِ أَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُونَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُونَ۔ (النحل:۷۲)

اور وہ اللہ ہی ہے جس نے تمھارے لیے تمھاری ہم جنس بیویاں بنائیں اور اسی نے ان بیویوں سے تمھیں بیٹے پوتے عطا کیے اور اچھی اچھی چیزیں تمھیں کھانے کو دیں۔ پھر کیا یہ لوگ (یہ سب کچھ دیکھتے اور جانتے ہوئے بھی) باطل کو مانتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں۔

نکاح جنسی تعلق کا واحد جائز ذریعہ

اسلام نے مرد اور عورت کے جائز اور صحت مند تعلق کے لیے نکاح کو لازم قرار دیا ہے۔ وہ نہ تو رہبانیت کی ہمت افزائی کرتا ہے اور نہ جنسی تسکین کی کھلی چھوٹ دیتا ہے۔ اس کے نزدیک نکاح کے ذریعے ایک مضبوط خاندان وجود میں آتا ہے، جس کے تمام افراد میں ذمہ داری کا احساس پایا جاتا ہے اور وہ اپنے فرائض اور دوسروں کے حقوق سے غفلت نہیں برتتے۔ اس لیے وہ نکاح کی ترغیب دیتا ہے اور افراد، خاندان اور معاشرہ کو صریح الفاظ میں اس کی تاکید کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَأَنكِحُوا الْأَيَامَى مِنكُمْ ...۔ (النور:۳۲)

تم میں سے جو لوگ مجرّد ہوں ان کے نکاح کردو...۔

'ایامیٰ' جمع ہے، جس کا واحد 'ایّم' ہے۔ اس کا اطلاق اس مرد پر ہوتا ہے جو بغیر بیوی کے ہو اور اس عورت پر ہوتا ہے جو بغیر شوہر کے ہو، خواہ ابھی ان کا نکاح ہی نہ ہوا ہو، یا نکاح

کے بعد عورت بیوہ ہوگئی ہو اور مرد کی بیوی کا انتقال ہوگیا ہو۔[۱]

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے سخت الفاظ میں تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا:

من قدر علی ان ینکح، فلم ینکح، فلیس منّا۔[۲] — جو شخص نکاح کرنے پر قادر ہو، پھر بھی نکاح نہ کرے، وہ ہم میں سے نہیں۔

اسلام جنسی خواہش کی تکمیل کو نکاح کا پابند بناتا ہے اور نکاح سے ہٹ کر کسی طرح کا تعلق رکھنے سے سختی سے منع کرتا ہے۔ وہ مردوں اور عورتوں دونوں پر سخت پابندی عائد کرتا ہے کہ نکاح کے علاوہ وہ باہم کسی طرح کا جنسی تعلق نہ رکھیں۔ قرآن میں ہے:

مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ أَخْدَانٍ۔ (المائدۃ:۵) — اس طرح کہ تم (مرد) ان (عورتوں) سے باقاعدہ نکاح کرو۔ یہ نہیں کہ علانیہ زنا کرو، یا پوشیدہ بدکاری کرو۔

مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَلَا مُتَّخِذٰتِ أَخْدَانٍ۔ (النساء:۲۵) — وہ عورتیں پاک دامن ہوں، نہ کہ علانیہ بدکاری کرنے والیاں، نہ خفیہ آشنائی کرنے والیاں۔

ان آیات میں وارد تینوں الفاظ قابل غور ہیں۔ حَصُن کے معنیٰ محفوظ ہونے کے ہیں، حِصْن قلعہ کو کہتے ہیں، جو دشمنوں سے حفاظت کا ذریعہ ہوتا ہے۔ اِحْصَان پاک دامن رہنے اور بدکاری سے محفوظ ہونے کے معنی میں آتا ہے۔ گویا نکاح کی حیثیت ایک مضبوط قلعے کی ہوتی ہے، جس کے حصار میں آکر انسان شیطان کے حملوں سے محفوظ ہوجاتا ہے۔ اسی معنیٰ میں مردوں کے لیے 'محصنین' اور عورتوں کے لیے 'مُحْصَنَات' کا استعمال ہوتا ہے۔ سَفَح کے معنیٰ کوئی سیّال چیز (مثلاً خون، پانی، آنسو یا منی وغیرہ) بہانے کے ہیں۔ مُسَافَحَة بغیر نکاح کے کسی مرد اور عورت کے ایک ساتھ رہنے کو کہتے ہیں۔ خِدْن (جمع اَخْدَان) کے معنی دوست کے ہیں۔ مُسَافِحِين / مُسَافِحَات ان مردوں اور عورتوں کو کہتے ہیں جو علانیہ

---

[۱] زمخشری، الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ۱۹۹۵ء، ۳/ ۲۲۷۔ رازی، مفاتیح الغیب، المعروف بالتفسیر الکبیر، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ۱۹۹۰ء، ۲۳/ ۱۸۳

[۲] دارمی، کتاب النکاح، باب الحثّ علی التزویج

بدکاری کا ارتکاب کریں اور مَتَّخِذِی اَخْدَان / مُتَّخِذَاتِ اَخْدَان انھیں کہتے ہیں جو پوشیدہ طریقے پر اس میں مبتلا ہوں۔ ایک فرق یہ بیان کیا گیا ہے کہ مُسَافِحَۃ میں بہت سے افراد سے بدکاری کے معنیٰ پائے جاتے ہیں اور اِتِّخاذ خَدْن (دوست رکھنا) یہ ہے کہ کوئی مرد یا عورت کسی ایک فرد کے ساتھ ناجائز تعلق رکھے۔[۱]

امام رازیؒ فرماتے ہیں:

''بیش تر مفسرین نے کہا ہے: مُسَافِحَۃ اس عورت کو کہتے ہیں جو علانیہ خود کو بدکاری کے لیے پیش کرے کہ جو مرد بھی چاہے آ کر اس سے جنسی تعلق قائم کرلے اور مُتَّخِذَۃُ الْخَدْنِ وہ عورت ہے جو کسی ایک ہی فرد سے ناجائز جنسی تعلق استوار رکھے۔ اہل جاہلیت دونوں قسموں کے درمیان فرق کرتے تھے۔ وہ بہت سے مردوں سے بدکاری کرنے والی عورت کو تو زانیہ مانتے تھے، لیکن کسی ایک مرد سے جنسی تعلق رکھنے والی عورت کو زانیہ نہیں مانتے تھے۔ چوں کہ یہ فرق ان کے درمیان معروف اور معتبر تھا اس لیے اللہ سبحانہ نے بدکاری کی ان دونوں قسموں کا الگ الگ تذکرہ کیا اور دونوں کو حرام قرار دیا۔''[۲]

زنا کی حرمت

نسلِ انسانی کے تسلسل اور تمدن کی ترقی دونوں کے لیے ضروری ہے کہ مرد اور عورت کا صنفی تعلق قانون کے دائرے میں اور قابل اعتماد رابطے تک محدود ہو۔ اسی لیے اسلام زنا کو اس نظر سے دیکھتا ہے کہ یہ وہ فعل ہے جس کی اگر آزادی دے دی جائے تو ایک طرف نسل انسانی کا تسلسل دشوار ہوجائے اور دوسری طرف تمدّن کی جڑ کٹ جائے۔ اس بنا پر وہ اسے سخت گھناؤنا اور بُرا فعل قرار دیتا ہے اور اس سے دور رہنے کی تلقین کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَى إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا۔ (الاسراء:۳۲)

اور زنا کے قریب نہ جاؤ۔ بلاشبہ وہ بڑی بے شرمی کا کام اور برا راستہ ہے۔

---

[۱] قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، دارالکتب العلمیۃ بیروت، ۱۹۸۸ء، ۹۴/۵

[۲] التفسیر الکبیر، تفسیر سورۂ نساء، آیت:۲۵

'فاحشۃ' اس برائی کو کہتے ہیں جس کی شناعت بہت زیادہ بڑھی ہوئی ہو۔[۱]

اس آیت میں کہا گیا ہے کہ 'زنا کے قریب نہ جاؤ'۔ اس میں بڑی بلاغت پائی جاتی ہے۔ گویا کہا جارہا ہے کہ نہ صرف یہ کہ زنا کا ارتکاب نہ کرو، بلکہ ان تمام دواعی ومحرکات سے بھی دور رہو جو زنا تک لے جانے والے ہوں۔[۲]

اسلام زنا کو ایک سنگین سماجی جرم قرار دیتا ہے اور اس کا ارتکاب کرنے والوں کے لیے سخت سزا تجویز کرتا ہے:

الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ	زانیہ عورت اور زانی مرد، دونوں میں سے
مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ۔ (النور:۲)	ہرایک کو سو کوڑے مارو۔

باہم رضامندی سے بھی بغیر نکاح کے جنسی تعلق کی اجازت نہیں

مغربی ممالک کے قوانین، جنھیں اب دنیا کے بیش تر ممالک نے تسلیم کرلیا ہے اور عالمی رائے عامہ کا بھی ان پر تقریباً اتفاق ہوگیا ہے، ان کے مطابق اگر بغیر نکاح کے جنسی تعلق فرق مخالف کی رضامندی سے قائم کیا جائے تو وہ قابلِ تعزیر جرم نہیں ہے۔ اسے جو چیز جرم بناتی ہے وہ جبر اور زور زبردستی ہے۔ ۲۰۱۲ء کے اواخر میں ہندوستان کے دارالحکومت دہلی میں ایک طالبہ کے ساتھ اجتماعی آبرو ریزی کا واقعہ پیش آیا۔ اس پر پورے ملک میں زبردست احتجاجی مظاہرے ہوئے اور سماج کے تمام طبقات نے اس کی شدید مذمت کی، خاص طور سے حقوقِ نسواں کی تنظیموں اور کالجوں اور یونی ورسٹیوں کی اسٹوڈینٹس یونینوں نے آسمان سر پر اٹھالیا۔ اس دوران میں لڑکیوں کے ہاتھوں میں ایسے پلے کارڈس (Play Cards) دیکھے گئے جن پر لکھا ہوا تھا: 'تم میری مرضی کے بغیر مجھے ہاتھ بھی نہیں لگا سکتے'۔ گویا کسی لڑکے کا کسی لڑکی سے جائز رشتے کے بغیر اس سے جنسی تعلق قائم کرنا جرم نہیں ہے، بلکہ جرم یہ ہے کہ اس کام کے لیے اس کی رضامندی کیوں نہیں حاصل کی گئی اور اس کے ساتھ زور زبردستی کیوں کی گئی۔

---

[۱] الکشاف: ۲/ ۶۳۸ (فاحشة) قبيحة زائدة على حدّ القبح ،شوکانی، فتح القدیر۔ای قبیحاً مبالغا فی القبح مجاوزاً للحد

[۲] قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، ۱۰/ ۱۶۵

اسلام کی نظر میں جتنا سنگین جرم زنا بالجبر ہے اتنا ہی سنگین جرم زنا بالرضا بھی ہے، دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ جو لوگ بغیر نکاح کے جنسی تعلق قائم کرتے ہیں وہ قوانینِ فطرت سے کھلواڑ کرتے ہیں اور نظام تمدن میں انتشار و اضطراب کا باعث بنتے ہیں، اس لیے وہ بھی سزا کے مستحق ہیں۔

خاندان کے استحکام کی دیگر تدابیر

اسلام نے خاندان کے استحکام کے لیے اور بھی بہت سی تدابیر اختیار کی ہیں، جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔ اس نے میاں بیوی، اولاد، والدین اور دیگر رشتہ داروں کے حقوق بیان کیے ہیں اور سب کو ان کی ادائی کا پابند کیا ہے۔ اس نے معاشرہ کی عفت و پاکیزگی قائم رکھنے کے لیے متعدد احتیاطی احکام دیے ہیں اور بدکاری، بے حیائی اور فواحش و منکرات کو رواج دینے والوں کے لیے سخت تعزیری قوانین بیان کیے ہیں۔ اسلام کی ان تعلیمات پر عمل کیا جائے تو خاندان کا ادارہ مستحکم ہوگا اور صالح تمدن کے فروغ کے لیے اپنا کردار بہ خوبی انجام دے سکے گا۔

اسلام-عصمتِ نسواں کا محافظ

ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

سماج میں بدکاری اور عصمت دری کے واقعات کثرت سے پیش آنے لگے ہیں اور لاکھ کوششوں کے باوجود، نہ صرف یہ کہ وہ کنٹرول میں نہیں آرہے ہیں، بلکہ ان میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے۔

اس کتابچہ میں بتایا گیا ہے کہ اسلام نے عورتوں کی عفت و عصمت کا کیا تصور پیش کیا ہے؟ سماج کو پاکیزہ رکھنے کے لیے اس نے کیا احکام اور تعلیمات دی ہیں؟ عورتوں کی عصمت کی حفاظت کے لیے کیا احتیاطی تدابیر بتائی ہیں؟ اور بدکاری کرنے والوں کے لیے کتنے سخت قوانین وضع کیے ہیں؟ اس سے واضح ہوتا ہے کہ عصمت نسواں کی حفاظت حقیقی طور پر اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے سے ہی ممکن ہے۔ صفحات: ۳۲ قیمت: -/۱۶ روپے

ملنے کے پتے: ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی، پوسٹ بکس نمبر: ۹۳، علی گڑھ-۲
مرکزی مکتبہ اسلامی پبلیشرز، عوت نگر، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی-۲۵

تحقیق وتنقید

قرآن میں 'ارض' و 'سماء' کے مدلولات اوران کا اعجاز

مولانا انیس الرحمٰن ندوی

عالمی زبانوں میں عربی زبان کو کئی اعتبار سے منفرد مقام حاصل ہے۔ اس کی انفرادیت کا ایک پہلو اس کے الفاظ کی معنوی وسعت اور ہمہ گیری ہے۔اس میں بڑے پیمانے پر ایسے الفاظ پائے جاتے ہیں جن کا اطلاق صرف ایک مخصوص شئ پر نہیں، بلکہ مخصوص اوصاف سے متصف کثیر اشیاء یا ایک قبیل کی متعدد چیزوں پر ہوتا ہے۔

قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں ان وسیع المعانی الفاظ کا بہ کثرت استعمال ہوا ہے، جس سے ایک طرف عربی زبان کی قدر وقیمت میں اضافہ ہوتا ہے تو دوسری طرف ان مختلف الوجوہ اور کثیر المعانی الفاظ میں قرآن مجید اور احادیث مبارکہ کے گوناگوں علمی اعجازات پوشیدہ ہیں، جن کی کنہ تک پہنچ کر انسانی عقلیں حیران وسرگرداں رہ جاتی ہیں۔

'اَرض' اور 'سماء' کی معنوی وسعت اور ان کا باہمی اشتراک

زیرنظر مضمون میں ہم عربی زبان کے الفاظ 'اَرض' اور 'سماء' کا تجزیہ پیش کریں گے، جن کا استعمال قرآن وحدیث میں مختلف مناسبتوں سے بہت سی جگہوں پر ہوا ہے اوران سے الگ الگ مواقع پر الگ الگ معانی مراد لیے گئے ہیں۔ یہ دونوں الفاظ اگرچہ ایک دوسرے کی ضد ہیں، مگر قرآن وحدیث میں ان کا استعمال مشترک طور پر بھی ہوا ہے، یعنی بعض جگہوں پر اَرض سے سماء اور بعض جگہوں پر سماء سے ارض کا مفہوم بھی نکلتا ہے۔ کیونکہ لغوی اعتبار سے ان دونوں الفاظ کے معانی میں اس قدر وسعت ہے کہ وہ ایک دوسرے میں بخوبی سما جاتے ہیں، مگر سیاق وسباق کے غائر مطالعہ سے ان کے درمیان فرق واضح ہوجاتا ہے۔

لفظ 'سماء' کا لغوی مفہوم

لفظ 'سماء' کا استعمال قرآن وحدیث میں کثرت سے ہوا ہے۔ قرآن میں یہ واحد (سماء) اور جمع (سماوات) دونوں صیغوں میں آیا ہے۔ بہ طور واحد اس کا استعمال ایک سو بیس (۱۲۰) مرتبہ اور بہ طور جمع ایک سو نوّے (۱۹۰) مرتبہ ہوا ہے۔

عربی زبان میں 'سماء' کا اطلاق ہر اس شئ پر ہوتا ہے جو اوپر ہو۔ عربی کی تمام بڑی لغات میں اس کی حسب ذیل تعریف وارد ہوئی ہے:

کل ما علاک فهو سماء.[1] ہر وہ شئ جو تمھارے اوپر ہو وہ سماء ہے۔

لہٰذا سماء کی معنوی وسعت میں بادل، کرۂ ہوا (Atmosphere)، اوزون پرت (Ozone layer)، خارجی سیارے (Exo-planets)، خارجی فضا (Outer Space)، حلقۂ سیارچات (Asteriod Belt)، اجرام سماوی (Celestial Objects) اور پوری کائنات (Universe) تک داخل ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ ان کا وجود زمین پر انسان کی بہ نسبت ہمیشہ اوپر کی جانب ہوتا ہے۔ ان معانی میں قرآن وحدیث میں لفظ سماء کے استعمالات پائے جاتے ہیں۔ تفصیل ملاحظہ ہو:

سماء بمعنی بادل

قرآن میں 'سماء' کا استعمال جن معنوں میں زیادہ ہوا ہے ان میں سے ایک 'بادل' ہے۔ اس کی مثالیں حسب ذیل آیات ہیں:

وَهُوَ الَّذِیْ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً. (الأنعام:۹۹)	(اللہ) وہ ہے جس نے آسمان (بادلوں) سے پانی نازل فرمایا۔
أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ أَوْدِیَةٌ بِقَدَرِهَا۔ (الرعد: ۱۷)	اس نے آسمان (بادلوں) سے پانی برسایا، پھر اس سے اپنی مقدار میں نالے بہنے لگے۔

بادلوں کا محل وقوع کرۂ ہوا (Atmosphere) کی سب سے نچلی پرت کرۂ زمہریر (Troposhere) ہے، جس کے حدود سطح زمین سے زیادہ سے زیادہ ۱۸ کلومیٹر اونچائی پر

واقع ہیں۔لہٰذا زمینی پانی، جو بخارات کی شکل میں زمین سے بلند ہوتا ہے، وہی پانی بادلوں کی شکل میں مرتکز ہوکر زمین پر دوبارہ برستا ہے۔

سماء بمعنی کرۂ ہوا

قرآن مجید میں ایک جگہ کرۂ ہوا (Atmosphere) کے لیے سماء کا لفظ استعمال کیا گیا ہے:

وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَقْفًا مَحْفُوْظًا، وَهُمْ عَنْ آيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ۔ (الأنبیاء:۳۲) اور ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنایا ہے، اور وہ اس کی نشانیوں سے روگردانی کرتے ہیں۔

اس آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ سماء اپنی کارکردگی میں مضبوط چھت کی مانند ہے۔ یہ وصف کرۂ ہوا (Atmosphere) پر صادق آرہا ہے۔کیونکہ کرۂ ہوا، جو مختلف قسم کی گیسوں کا مجموعہ ہے اور جس کو زمین کی قوتِ کشش (Gravity) نے خارجی فضا میں تحلیل ہونے سے روک رکھا ہے، فی الحقیقت اہلِ زمین کے لئے مضبوط چھت کا کام کرتا ہے۔ وہ سورج کی بالائے بنفشی شعاعوں (Ultra-Violet Rays)، شہابیوں اور دوسری آسمانی آفات سے زمین پر موجود انسانوں اور دیگر جان داروں کی حفاظت کرتا ہے، جس طرح ایک گھر کی چھت اس میں بسنے والوں کو سہارا اور تحفظ فراہم کرتی ہے۔ ہوا کا یہ کرہ زمین والوں کے لئے دوطرفہ چھت کا کام کرتا ہے۔ نہ اس چھت کے اندر کی کارگر اور مفید اشیاء (گرین ہاؤس گیسیں) باہر فضا میں جاسکتی ہیں اور نہ خارجی فضا کی مہلک اشیاء (بالائے بنفشی شعاعیں اور شہابیے وغیرہ) اس چھت کو پھلانگ کر اندر آسکتی ہیں۔اگر زمین کی یہ حفاظتی چھت نہ ہو تو کرۂ ارض پر زندگی ایک لمحہ کے لیے بھی باقی نہیں رہ سکتی۔ یہاں یہ بات بھی ذہن نشیں رہے کہ کرۂ ہوا اور اس کی ان کارکردگیوں کے متعلق تمام سائنسی تحقیقات بیسویں صدی کی ہیں، جس سے اس قرآنی بیان کی قدر ومنزلت میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔

سماء بمعنی حلقۂ سیارچات

قرآن مجید میں ایک جگہ لفظ 'سماء' حلقۂ سیارچات (Asteroid Belt) کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔ اس کو سمجھنے کے لیے مندرجہ ذیل دو آیات ملاحظہ ہوں:

فَأَنْزَلْنَا عَلَىٰ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ. (البقرۃ:۵۹)
پھر ہم نے ظالموں پر ان کی نافرمانی کی پاداش میں آسمان سے عذاب نازل فرمایا۔

فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِنْ سِجِّيلٍ مَنْضُودٍ۔(ہود:۸۲)
جب ہمارا حکم آپہنچا تو ہم نے بستیاں الٹ دیں اور اس زمین پر کنکر کے پتھر برسانا شروع کیے جو لگاتار گر رہے تھے۔

پہلی آیت میں مطلقاً بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالی نے بعض گزشتہ اقوام پر آسمان سے عذاب نازل کرکے انہیں ہلاک کر دیا۔ جبکہ دوسری آیت میں اس عذاب کے عموم کی تخصیص کرتے ہوئے انہیں آسمانی پتھروں کی بارش سے تعبیر کیا گیا ہے۔ قرآن اور حدیث میں اس کی صراحت موجود ہے کہ اللہ تعالی نے قوم لوطؑ کو آسمانی پتھر برسا کر انہیں نیست ونابود کر دیا تھا۔ لہذا علمی وسائنسی نقطۂ نظر سے یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ آسمانی پتھر کیا ہیں؟ اور کیا ان سے زمین پر موجود مخلوقات کو ماضی میں کبھی خطرہ لاحق رہا تھا؟ یا وہ کبھی ان کی زد میں آئی تھیں؟

اس کا جواب ہمیں ہمارے نظام شمسی (Solar System) میں موجود حلقۂ سیارچات (Asteroid Belt) میں ملے گا۔ حلقۂ سیارچات ہمارے نظام شمسی میں واقع سیارچوں کی پٹی کا نام ہے، جو مریخ (Mars) اور مشتری (Jupiter) کے درمیان واقع ہے۔ اس پٹی میں ایک اندازے کے مطابق سات لاکھ سے سترہ لاکھ تک چھوٹے بڑے سیارچے محوگردش ہیں۔ ان سیارچوں کی اس کثرت کی وجہ سے ان کے مدارات اس قدر گنجلک ہیں کہ وہ وقتاً فوقتاً آپس میں ٹکراتے اور ٹوٹتے پھوٹتے رہتے ہیں۔ ان سیارچوں کے آپس میں ٹکرا کر ٹوٹنے کے بعد ان کے ملبے ہمارے پورے نظام میں منتشر ہوکر اس میں موجود سیاروں کے لئے وقتاً فوقتاً خطرات پیدا کرتے رہتے ہیں۔ ان سیارچوں کے ملبوں کی زد میں زمین بھی بارہا آتی رہی ہے اور شہابیوں کی شکل میں ان کا نشانہ بنتی رہی ہے، اور خود ان اجرام اور سیاروں کے درمیان بھی تصادم برپا ہوتا رہتا ہے۔

اس سلسلے کا ایک اہم انکشاف یہ ہے کہ سائنس دانوں نے کرۂ ارض پر پائے جانے والے تمام شہابیوں (Meteorites) کو جمع کرکے ان کا کیمیاوی تجزیہ کیا ہے، جس سے یہ اہم ترین انکشاف سامنے آیا کہ کرۂ ارض پر پائے جانے والے کل تقریباً تیس (۳۰) ہزار

شہابیوں میں سے ۹۹ء۸ فیصد کا تعلق ہمارے نظام شمسی کے اسی حلقۂ سیارچات سے ہے، جو ہمارے نظامِ شمسی کی فضا میں اپنی گردش کے دوران آپس میں ٹکرا کر شہابیوں کی شکل میں زمین پر آ گرے۔ ان میں سے بعض ماضی قریب کے اور بعض ماضی بعید کے ہیں۔[۲]

اس سلسلہ کا مزید چونکانے والا انکشاف یہ ہے کہ سائنس دانوں نے اس امر کا بھی پتہ لگا لیا ہے کہ ماضی میں زمینی مخلوقات بارہا ان بین السیاراتی تصادموں کا شکار بن چکی ہیں اور اس کے نتیجے میں زمینی مخلوقات اور تہذیبیں صفحۂ ہستی سے نیست و نابود ہوئی ہیں۔ لہٰذا ان مخلوقات کی ہلاکت و بربادی کا سبب حلقۂ سیارچات میں موجود انہی سیارچوں کا پتھریلا مادہ ہے، جو اپنی گردش کے دوران آپس میں ٹکرا کر ٹوٹنے پھوٹنے کے بعد زمین سے اس قدر طاقت اور دھماکے کے ساتھ ٹکرائے کہ زمین کے بڑے علاقے جل کر خاکستر ہو گئے اور چٹیل میدانوں اور بیابانوں میں تبدیل ہو گئے۔[۳]

بہر حال، مذکورہ بالا آیت میں ہمارا استشہاد لفظ 'سماء' سے ہے، جو حلقۂ سیارچات کے معنٰی پر دلالت کر رہا ہے۔

سماء بمعنی خلا

قرآن مجید میں لفظ سماء خارجی فضا (Outer Space) کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔ حسب ذیل آیت کریمہ ملاحظہ ہو:

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِينَ ۔(الحجر:۱۶)

اور ہم نے آسمان (خارجی فضا) میں بروج (مجمع النجوم/ کہکشائیں) بنائے ہیں اور ان کو دیکھنے والوں کے لیے مزین کیا ہے۔

حضرت حسنؒ اور قتادہؒ کے مطابق اس آیت میں بروج سے مراد ستارے ہیں۔[۴] متعدد مفسرین کے مطابق اس سے بروج النجم (Constellation) بھی مراد ہو سکتے ہیں[۵]۔ لہٰذا ان ستاروں یا مجمع النجوم کی جائے وقوع ہماری کائنات کا بے کراں وسیع خلا (Space) ہے، جسے قرآن مجید کی اس آیت میں 'سماء' کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جدید سائنسی تحقیقات کے مطابق خلا میں ہمارے نظام شمسی میں سے جو ستارہ یا سیارہ سب سے قریب شمار کیا جاتا ہے

وہ یہاں سے ۲ء۴ نوری سال کی دوری پر واقع ہے، جب کہ ہماری پوری کائنات کی وسعت (Width) جدید تخمینوں کے مطابق ۱۵۶ ربلین نوری سال ہے۔ اس قدر وسیع وعریض کائنات بے شمار ستاروں اور کہکشاؤں سے بھری ہوئی ہے۔

اس اعتبار سے دیکھا جائے تو اس آیت میں 'سماء' کے معنٰی خارجی فضا کے بھی ہو سکتے ہیں اور پوری کائنات کے بھی۔ کیونکہ ان ستاروں کو خارجی فضا میں بکھرے ہوئے کہا جانا یا پوری کائنات میں بکھرے ہوئے کہا جانا دونوں کا ایک ہی مطلب ہوا۔ ان دونوں تعبیرات کے درمیان فرق انتہائی لطیف ہے، اور لفظ 'سماء' لغوی اعتبار سے ان دونوں پر دلالت کرتا ہے۔

سماء بمعنی جرمِ سماوی

اسی طرح لغوی اعتبار سے عربی زبان میں سماء سے کوئی بھی جرمِ سماوی مراد لیا جا سکتا ہے۔ اس کی مثال کے لئے حسب ذیل آیت کریمہ ملاحظہ ہو:

أَوَ لَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا أَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا۔ (الأنبیاء:۳۰)	کیا کافروں نے دیکھا نہیں کہ سماوات (اجرام سماوی) اور زمین آپس میں جڑے ہوئے تھے، پھر ہم نے انہیں الگ کیا۔

مذکورہ بالا آیت میں علم الکائنات (Cosmology) کے ایک اہم نظریہ کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے، جو بیسویں صدی عیسوی کے اہم ترین انکشافات میں سے ہے۔ یہ انفجار عظیم کا نظریہ (Big Bang Theory) ہے۔ اس نظریہ میں ہماری کائنات کی ابتدا اور پیدائش سے متعلق بات کہی گئی ہے۔ اس کے مطابق ہماری کائنات کا مادہ اپنی موجودہ حالت میں وجود میں آنے سے پہلے انتہائی کثیف اور آتشی مواد پر مشتمل تھا اور ایک گولے کی شکل میں آپس میں ملا ہوا تھا۔ پھر اس میں ایک عظیم دھماکہ ہوا، جس کے بعد اس کا مادہ ہمہ جہت منتشر ہونا شروع ہوا اور تدریجی طور پر کیمیاوی اور طبیعی عوامل کی بدولت مختلف اجرام کی شکل اختیار کرتا گیا۔ اس طرح ہماری کائنات وجود میں آئی۔ سائنس دانوں کا خیال ہے کہ یہ دھماکہ تقریباً ۱۳ء۷ ربلین سال قبل ہوا تھا۔

اس آیت میں ہمارا استشہاد لفظ 'سمٰوٰت' سے ہے۔ یہ لفظ یہاں جمع کے طور پر

استعمال ہوا ہے اور اس کی معنوی وسعت میں تمام اجرامِ سماوی آجاتے ہیں، جن میں ستارے، سیارے، چاند، شہابیے، دمدار ستارے، بلیک ہول، نیبولے، پلسرز، کواسرز، نظام شمسی، کہکشائیں اور دیگر تمام اجرام شامل ہیں۔ مذکورہ بالا قرآنی آیت اپنی اس دلالت میں واضح ہے کہ ان تمام اجرام کا مادہ ابتداء میں ایک تھا اور آپس میں ملا ہوا تھا۔

سماء بمعنی کائنات

قرآن مجید میں 'سماء' کا لفظ کائنات (Universe) کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوا ہے۔ اس کی ایک مثال اوپر گزر چکی ہے۔ دوسری مثال حسب ذیل آیت کریمہ ہے:

وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ۔ اور آسمان (کائنات) کو ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنایا اور ہم اس میں وسعت دیے جارہے ہیں۔ (الذاریات: ۴۷)

اس آیت کریمہ میں علم الکائنات کے ایک اور اہم نظریہ کی طرف اشارہ موجود ہے، جسے نظریۂ توسیعِ کائنات (Theory of Expanding Universe) کہا جاتا ہے۔ یہ نظریہ دراصل گزشتہ آیت کریمہ میں پیش کیے گئے نظریہ-نظریۂ انفجارِ عظیم- کا لاحقہ اور اس کا معلول ہے۔ جیسا کہ بتایا گیا کہ سائنس دانوں کے مطابق ہماری کائنات کا مادہ ابتداء میں آپس میں ملا ہوا تھا، اس کے ابتدائی مادے میں عظیم دھماکہ کے بعد یہ مادہ تیزی سے ہر سمت میں پھیلنا شروع ہوا۔ یہ کائناتی مادہ یا اجرام آج بھی بتدریج پھیلتے جارہے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں ہماری کائنات میں توسیع کا عمل آج بھی برابر جاری وساری ہے۔ اس کی مثال اس غبارے کی طرح ہے جس میں ہوا بھرنے سے وہ غبارہ حجم اور رقبہ میں بڑا ہوتا اور پھولتا چلا جاتا ہے۔ اس طرح دیکھا جائے تو یہ دونوں واقعات-عظیم دھماکہ اور توسیعِ کائنات- ایک ہی واقعہ کے دو مختلف مراحل (Stages) قرار پاتے ہیں۔

سماء بمعنی خارجی سیارے

قرآن مجید میں لفظ سماء کا استعمال بہت سے مقامات پر خارجی سیاروں (خارجی زمینوں) (Exoplanets) کے معنیٰ میں ہوا ہے۔ اس پر تفصیل کے لیے 'اَرض' کے تحت اگلی بحث ملاحظہ ہو۔

لفظ 'ارض' کا لغوی مفہوم

لفظ 'ارض' کا استعمال قرآن اور حدیث دونوں میں بہت سی آیات میں ہوا ہے۔ان میں سے بعض آیات کی معنوی تحدید اور مفہوم میں مفسرین اور محدثین میں خاصا اختلاف پایا جاتا ہے۔اس اختلاف کی اصل وجہ لفظ 'اَرض' کی معنوی وسعت اور اس کے متنوع مدلولات ہیں۔ ان مدلولات کی تحدید روایتی طور پر ممکن نہیں تھی، مگر جدید سائنسی تحقیقات سے ان میں اتنی وسعت پیدا ہوگئی ہے کہ ان کو سمجھنا اور ان کا تعین کرنا آسان ہوگیا ہے۔ان تحقیقات کی روشنی میں لفظ ارض کے تمام مدلولات میں صحیح انطباق ہوجاتا ہے۔اور ان میں کسی قسم کا تناقص یا تضاد نہیں پایا جاتا، بلکہ ان کا تنوع اور نیرنگی واضح ہوتی ہے۔

لفظ 'اَرض' (بغیر الف لام) اسم جنس ہے[۶] یا صیغۂ جمع ہے، جس کا واحد نہیں ہے۔[۷] اس کا واحد اَرضۃ ہونا چاہئے تھا۔مگر لفظ 'اَرضۃ' (واحد) عربی میں متروک ہے، اس کا استعمال عربی زبان میں سرے سے نہیں ہوا ہے[۸]۔ اور نہ قرآن و حدیث میں اس کے استعمالات موجود ہیں۔ 'اَرض' کی جمع اَرضات اور اَرضون، اسی طرح اُروض اور آراض آتی ہے۔ لفظ 'اَرض' کا استعمال قرآن مجید میں چار سو ایکسٹھ (۴۶۱) مرتبہ ہوا ہے۔اس میں وہ جمع کے صیغہ میں کہیں نہیں آیا ہے[۹]۔اس کے برخلاف احادیث و روایات میں یہ لفظ واحد اور جمع (اَرضون، اَرضین) دونوں صیغوں کے ساتھ بے شمار جگہوں پر آیا ہے۔

قرآن اور حدیث میں لفظ 'اَرض' کے الگ الگ جگہوں پر الگ الگ معانی مراد لیے گئے ہیں، مثلاً: کرۂ ارض، خارجی سیارہ، براعظم، سرسبز وشاداب قطعۂ زمین، قشرِ ارض، ملک وسرزمین، مٹی، جزیرہ۔

عربی زبان میں لفظ 'ارض' لفظ 'سماء' ہی کی طرح ایک وسیع المعنی اور انتہائی بلیغ لفظ ہے۔ اس کا اطلاق ہر اس چیز پر ہوتا ہے جو نیچے ہو۔عربی زبان کی تقریبا تمام بڑی لغات ومعاجم میں لفظ 'اَرض' کی حسب ذیل تعریف کی گئی ہے:

کل ما سفُل فهو أرض۔[۱۰] ہر وہ چیز جو نچلی ہو وہ ارض ہے۔

أرض: يعبر بها عن أسفل الشئ كما يعبر بالسماء عن أعلاه۔[۱۱]

اُرض: اس سے نچلی شئ کو بیان کیا جاتا ہے، جیسا کہ سماء سے اوپری شئ مراد لی جاتی ہے۔

'اَرض' بمعنی پیر

لفظ 'ارض' میں نچلی اشیاء کا مفہوم عربی زبان میں اس قدر عام ہے کہ چوپایوں کے پیروں کو بھی ارض کہا جاتا ہے:

والأرض قوائم الدابة...[۱۲]

اُرض چوپایوں کے پایے ہیں۔

اسی طرح انسان کے گھٹنوں اور اس کے نیچے کے حصہ کو بھی انسان کا ارض کہا جاتا ہے:

وأرض الإنسان ركبتاه فما بعدهما۔[۱۳]

انسان کا اُرض اس کے گھٹنے اور ان سے نیچے کا حصہ ہے۔

اُرض بمعنی بیٹھک، آماج گاہ، مٹی، دیمک، جگہ، زمین اور سرزمین

ارض کے مفہوم میں بیٹھک اور آماج گاہ بھی آتے ہیں۔ کیونکہ ان کا وجود بھی انسان کی بہ نسبت نیچے ہوتا ہے:

أرض أريضة أي لينة طيبة المقعد. وروضة أريضة: لينة الموطئ واسعة۔[۱۴]

اُرض اُریضۃ نرم اور عمدہ بیٹھک کو کہتے ہیں۔ اور روضۃ اُریضۃ سے ملائم اور وسیع آماج گاہ مراد ہے۔

ارض کے ایک معنی مٹی کے بھی ہیں۔ احادیث میں متعدد جگہوں پر اس کا استعمال اس معنیٰ میں ہوا ہے۔ اسی طرح دیمک کو اُرَضَۃٌ کہا جاتا ہے، جو مٹی ہی سے نکلتی ہے اور لکڑی وغیرہ کو کھا جاتی ہے۔[۱۵]

قرآن مجید میں ایک جگہ 'اُرض' مطلقاً جگہ کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔ حضرت یوسفؑ کے بھائی بنیامین کو جب مصر میں روک لیا گیا اور دوسرے بھائی خالی ہاتھ لوٹنے لگے تو ان میں سے ایک نے کہا:

فَلَنْ أَبْرَحَ الْأَرْضَ حَتَّى يَأْذَنَ لِي أَبِي... (یوسف:۸۰)

میں ہرگز اس جگہ (زمین) سے نہیں ہٹوں گا جب تک کہ میرے والد مجھے اجازت نہیں دے دیں گے۔

عربی زبان میں لفظ اَرض بالعموم ملک اور سرزمین کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔مثلاً کہا جاتا ہے: 'اَرض ہند' یعنی ہندوستان کی سرزمین، 'اَرض مصر' یعنی مصر کی سرزمین وغیرہ۔ اس معنی کا استعمال قرآن مجید میں بھی ہوا ہے:

يَا قَوْمِ ادْخُلُوا الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِي كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ ... (المائدۃ:۲۱)	اے میری قوم! تم اس مقدس سرزمین (ملک) میں داخل ہوجاؤ جس کو اللہ نے تمہارے لیے مقدر کردیا ہے۔

اس آیت میں مقدس سرزمین سے مفسرین میں سے بعض نے بیت المقدس، بعض نے ملک فلسطین اور بعض نے شام مراد لیا ہے۔

اسی طرح 'اَرض' عربی میں مطلقاً زمین کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوتا ہے۔اس کا استعمال قرآن مجید میں بھی ہوا ہے:

قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَا ذَلُولٌ تُثِيرُ الْأَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ... (البقرۃ:۷۱)	اس (موسیٰ) نے کہا: وہ فرماتا ہے کہ وہ ایسی گائے ہو جس سے خدمت نہ لی جاتی ہو اور جو نہ زمین کو جوتتی ہو، نہ پانی کھینچتی ہو۔

اوپر کی مثالوں سے واضح ہوگیا ہوگا کہ 'اَرض' کتنا وسیع المعنیٰ لفظ ہے! اس کے مفہوم میں ہر وہ چیز داخل ہوسکتی ہے، جو انسان کی بہ نسبت نیچے ہو۔ یعنی زمین پر انسانی وجود کی بہ نسبت جن اشیاء کا جائے وقوع بالعموم نیچے رہتا ہے وہ تمام 'اَرض' کے مفہوم میں داخل ہیں۔ ایک عربی شاعر نے گھوڑے کے وصف میں حسب ذیل شعر کہا ہے، جس میں 'اَرض' اور 'سماء' دونوں الفاظ استعمال ہوئے ہیں اور اس شعر میں ان الفاظ کے مذکورہ بالا معانی مراد لیے گئے ہیں:

وأحمر كالديباج أما سماء ها فريا وأما أرضها فمحول

مذکورہ بالا شعر سے ایک اور چیز واضح ہے کہ ارض وسماء کی نسبت اگر کسی شئ کی طرف کی جائے تو ان سے اس شئ کے اوپر اور نیچے والا حصہ مراد ہوتا ہے، جیسا کہ مذکورہ بالا شعر میں ان کی نسبت گھوڑے کی طرف کی گئی ہے، اور وہاں ان سے گھوڑے کا اوپری اور نچلا حصہ مراد لیا گیا ہے۔

اُرض بمعنی سرسبز وشاداب زمین

لفظ ارض کا اطلاق ایسے مقام پر بھی ہوتا ہے جو سرسبزی وشادابی سے لب ریز ہو:

ویقال أرض أریضة أی حسنة النبت وتأرّض النبت تمکّن علی الأرض فکثر۔[۱۶]	کہا جاتا ہے اُرض اُریضۃ یعنی وہ زمین جس میں سبزہ اچھی طرح اگے۔ اور 'تأرض النبت' اس وقت کہا جاتا ہے جب سبزہ خوب اور بکثرت ہو۔
أَرَضَ یَأرِضُ أَرْضًا (المکان) کَثُرَ عُشْبَهٗ وَازْدَهیٰ وَحَسُنَ فِي الْعَیْنِ.[۱۷]	أرض المکان' یعنی وہ جگہ خوب سرسبز ہوگئی، وہاں خوب ہریالی آ گئی اور وہ دیدہ زیب ہوگئی۔

اُرض بمعنی کرۂ زمین

عربی میں لفظ 'اُرض' کا اطلاق بالعموم کرۂ زمین پر ہوتا ہے:

الأرض الجرم المقابل للسماء۔[۱۸]	اُرض آسمان کے مقابلِ جرم (یعنی کرۂ زمین) کو کہا جاتا ہے۔

کرۂ زمین کو 'ارض' کہے جانے کی دو وجوہ ہوسکتی ہیں: ایک یہ کہ وہ ہمیشہ انسان کے قدموں تلے رہتا ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ کرۂ زمین سرسبز وشاداب مقام ہے، جس کی وجہ سے اس پر زندگی کی سرگرمیاں جاری ہیں۔ قرآن مجید میں لفظ 'اُرض' کا زیادہ تر استعمال کرۂ زمین کے معنی میں ہی ہوا ہے۔ چند مثالیں حسب ذیل ہیں:

وَ إِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰئِکَةِ إِنِّیْ جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِیْفَةً۔ (البقرۃ:۳۰)	اور جب تیرے رب نے ملائکہ سے کہا کہ میں 'ارض' (کرۂ زمین) میں ایک خلیفہ پیدا کرنے والا ہوں۔
وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُکُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَّلَکُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلیٰ حِیْنٍ۔ (البقرۃ:۳۶)	اور ہم نے کہا: تم ایک دوسرے کے دشمن ہوکر اترو۔ اور تمہارے لیے زمین (کرۂ اُرض) میں ٹھکانا اور متاع حیات ہے ایک مقررہ وقت تک کے لیے۔
اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمْ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً ا۔ (البقرۃ:۲۲)	(وہ اللہ ہی ہے) جس نے زمین (کرۂ اُرض) کو تمہارے لئے فرش اور آسمان کو چھت بنایا۔

احادیث وروایات میں بھی لفظ 'ارض' کا بکثرت استعمال کرۂ زمین کے معنی میں ہوا ہے۔ اس کی ایک واضح مثال حضرت ابن عباس کی روایت ہے:

عن ابن عباسؓ قال: خلق الله جبلا يقال له ق محيط بالأرض... الخ[19]

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا: اللہ تعالی نے ایک پہاڑ پیدا کیا ہے جسے ق کہا جاتا ہے۔ وہ پورے کرۂ ارض کو گھیرے ہوئے ہے۔

اس روایت میں مذکور عظیم الشان اور فلک بوس پہاڑ (جسے کوہِ ق کے نام سے موسوم کیا گیا ہے) کا انکشاف حالیہ برسوں میں ہوا ہے۔ وہ بیسویں صدی عیسوی تک دنیا کی نظروں سے اوجھل رہا۔ جدید جیولوجیائی اور بحریاتی تحقیقات نے اس پُراسرار پہاڑ کا انکشاف کیا ہے۔ یہ پہاڑ دراصل کرۂ زمین کے سمندروں میں موجود ہے۔ اس کی کُل لمبائی ۸۰ ہزار کلومیٹر سے زائد ہے[20]۔

ہمارا استشہاد اس روایت کے لفظ 'اَرض' سے ہے، جو کرۂ زمین کے معنیٰ پر دلالت کررہا ہے۔ اس روایت میں بتایا گیا ہے کہ یہ پہاڑ پورے کرۂ زمین کو گھیرے ہوئے ہے۔

اَرض بمعنی خارجی زمین

عربی زبان میں لفظ 'ارض' کا استعمال سرسبزی وشادابی سے لبریز اور زندگی کے لیے موزون خارجی سیاروں (زمینوں) (Exoplanets) کے لیے بھی بہ کثرت ہوا ہے۔ اسی معنیٰ میں اس کا استعمال بعض روایات میں بھی ہوا ہے۔ مثلاً ابن جریر، ابن ابی حاتم، حاکم اور بیہقی نے حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت نقل کی ہے:

عن ابن عباس في قوله: ﴿وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ﴾ قال: سبع أرضين، في كل أرض نبي كنبيكم، وآدم كآدم، ونوح كنوح، وإبراهيم كإبراهيم، وعيسى كعيسى۔[21]

حضرت ابن عباس سے ومن الأرض مثلهن کی تفسیر میں مروی ہے کہ: سات زمینیں ہیں، ہر ایک زمین میں نبی ہے تمہارے نبی کی طرح، آدم ہے آدم کی طرح، نوح ہے نوح کی طرح، ابراہیم ہے ابراہیم کی طرح اور عیسی ہے عیسی کی طرح۔

جدید فلکیاتی اور کائناتی (Cosmological) تحقیقات کی روشنی میں مذکورہ بالا روایت کی کافی اہمیت ہے۔ اس سے نہ صرف اس کے اعجاز کے مختلف پہلو کھل کر سامنے آتے ہیں، بلکہ کائنات کی بعض لاینحل گتھیاں سلجھانے میں بھی مدد ملتی ہے۔ اس روایت میں لفظ 'سبع' آیا ہے، جو عربی زبان میں متعین سات کے عدد پر بھی دلالت کرتا ہے اور کثرت کے معنی پر بھی۔ اس کی رو سے اس روایت سے درج ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں:

☆ کائنات میں ہماری زمین جیسی بہت سی زمینیں موجود ہیں۔

☆ ان زمینوں میں ذی شعور اور مکلّف مخلوقات بھی پائی جاتی ہیں۔

☆ وہاں بھی ہماری زمین کی طرح تہذیب وتمدن اور معاشرہ قائم ہے۔

☆ ان میں بھی نبوت اور شریعت کا سلسلہ جاری ہے۔

☆ وہاں پر بھی انسانوں اور انبیاء کے درمیان فرقِ مراتب پایا جاتا ہے، جیسا کہ ہماری زمین پر بعض انسانوں کو فضیلت بخشی گئی اور انہیں انبیاء بنایا گیا اور خود انبیاء کے درمیان بعض کو بعض پر فضیلت عطا کی گئی ہے۔

☆ اس روایت میں زمینی اور خارجی زمینوں کے انبیاء کے درمیان جو مماثلت بیان کی گئی ہے وہ بس ان کے مقام اور مرتبے کے اعتبار سے ہے۔ خارجی سیاروں کی یہ مخلوقات نوع (Species) اور طبیعی وکیمیاوی ساخت وپرداخت اور خصوصیات میں ہم انسانوں سے جدا ہوسکتی ہیں۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا جدید سائنس نے کسی ایسے سیارے کو دریافت کیا ہے جو قابلِ بود وباش ہو؟ اگر ہاں تو کیا کوئی ایسا سیارہ دریافت ہوا ہے جہاں باشعور مخلوق کا وجود ہو؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سائنس نے اب تک نہ صرف زمین جیسے سیکڑوں قابلِ بود وباش سیارے (Habitable Planets) دریافت کرلیے ہیں، بلکہ سائنس دانوں کا خیال ہے کہ ہمارے نظامِ شمسی کے اندر اور باہر، ہماری کہکشاں جادۂ شیر (Milky Way) کے اندر اور اس سے باہر دوسری کہکشاؤں میں زمین جیسے اربوں نہیں، بلکہ کھربوں کھربوں (Billions of Billions) سیارے موجود ہوسکتے ہیں جو زمین ہی کی طرح زندگی کے لیے سازگار ہوں۔

آئے دن اس سلسلے میں نئی نئی تحقیقات اور انکشافات سامنے آرہی ہیں، جنھوں نے انسانی عقلوں کو مبہوت کر دیا ہے۔

اس سلسلے کی دوسری اہم بات یہ ہے کہ جدید سائنس ان زمین نما سیاروں (Earthlike Planets) میں زندگی کو کھوج نکالنے کے نہ صرف انتہائی قریب پہنچ چکی ہے، بلکہ اب سائنس داں اس بات کا کھلے عام اعتراف کرنے لگے ہیں کہ ان زمین نما سیاروں میں باشعور اور متمدن مخلوقات کا وجود ہونا کوئی ناممکن بات نہیں ہے۔لہٰذا بعید نہیں کہ مستقبل قریب میں ایسا کوئی انکشاف سامنے آجائے جس سے مذکورہ بالا روایت کی تائید وتصدیق ہوجائے[۲۲]۔

بہر حال ہمارا استشہاد اس روایت کے لفظ 'اَرضین' سے ہے، جو 'اَرض' کی جمع ہے۔ اس سے خارج از زمین سیارے مراد لیے گئے ہیں۔لغوی اعتبار سے ان سیاروں کو 'اَرض' کہے جانے کی وجہ ان میں موجود روئیدگی اور سرسبزی وشادابی ہے، جو ان میں کسی بھی طرح کی زندگی کے لیے اولین شرط ہے اور کسی بھی سیارے میں سرسبزی وشادابی کے لیے بنیادی شرط وہاں پانی کی فراوانی ہے، جس کے بغیر زندگی کا وجود ممکن نہیں ہوسکتا۔سائنسی اعتبار سے زندگی اور سرسبزی وشادابی کے لیے لازمی عنصر پانی کی اہمیت اور اس کے وجود پر قرآن مجید میں ایک جگہ حسب ذیل بیان وارد ہوا ہے:

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ۔ اور ہم نے پانی ہی سے تمام زندہ اشیاء کو بنایا ہے۔ (الانبیاء:۳۰)

آج سائنس داں اس وسیع وعریض کائنات کے کسی سیارے میں زندگی کی کھوج کے لیے سب سے پہلے وہاں پانی کے موجودگی کا پتہ لگاتے ہیں، جو قرآنی بیان کے مطابق زندگی کے وجود کے لئے ایک لازمی شئ ہے۔احادیث وروایات میں ان زمین نما سیاروں کو 'اَرض' کہا جانا اس معنی میں بھی انتہائی بلیغ ہے کہ فضا (Space) میں نہ صرف خارجی سیاروں کا وجود ہے، بلکہ وہ سیارے زندگی کے تمام لوازم-پانی اور سرسبزی وشادابی- سے بھرپور اور قابلِ بود و باش مقامات ہیں۔ یہاں یہ بات بھی ذہن نشیں رہے کہ لغوی اعتبار سے 'اَرض' کا اطلاق صرف انہی خارجی سیاروں پر ہوگا جو سرسبزی وشادابی سے لب ریز ہوں۔ بے آب وگیاہ اور سنگلاخ

سیاروں پر 'اَرض' کا اطلاق نہیں کیا جاسکتا، بلکہ ان پر سماء کا اطلاق کیا جائے گا۔ (اس پر مزید تفصیل کے لیے اگلی بحث ملاحظہ ہو)۔

سیاروں کے لیے 'ارض' اور 'سماء' دونوں کا استعمال ہوا ہے

لغوی اعتبار سے خارجی زمینوں کے لئے جس طرح 'اَرض' کا استعمال درست ہے اسی طرح ان کے لیے 'سماء' کا بھی استعمال درست ہے۔ کیونکہ ہماری زمین کی بہ نسبت وہ تمام سیارے ہمیں ہمیشہ آسمان میں بلند نظر آتے ہیں اور ان کی سمت ہمیشہ اوپر کی جانب ہوتی ہے۔ لہٰذا قرآن مجید میں خارجی زمینوں (سیاروں) کے لئے 'اَرض' اور 'سماء' دونوں الفاظ کا استعمال ہوا ہے۔ ان کے لیے 'اَرض' کے استعمال کی مثال حسب ذیل آیت کریمہ ہے:

اللّٰـهُ الَّـذِیْ خَـلَـقَ سَبْـعَ سَمٰوٰتٍ وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ.... (طلاق:۱۲)

وہ اللہ ہی ہے جس نے سات آسمان پیدا کیے ہیں اور انہی کی طرح زمینیں بھی۔

یہ قرآن مجید کی ایک 'متشابہ' آیت ہے، کیونکہ اس کی تفسیر متعدد طریقوں سے کی جاسکتی ہے اور کی گئی ہے۔ اس میں مذکور "سَبْعَ سَمٰوٰتٍ" کے متعدد معانی ہوسکتے ہیں:

۱- جیسا کہ بیان کیا گیا، عربی زبان میں لفظ 'سبع' متعین سات کے عدد پر دلالت کرنے کے ساتھ کثرت کے معنی پر بھی دلالت کرتا ہے۔ اس سے متعین سات کا عدد مراد لیے جانے کی صورت میں مفسرین نے 'سماوات' کے دو معانی بیان کیے ہیں:

(الف) سات آسمانوں سے ہمارے کرۂ ہوا (Atmoshpere) کی سات تہیں (Lay ers) مراد ہیں۔ اوپر بیان کیا جاچکا ہے کہ سماء کا اطلاق کرۂ ہوا پر بھی ہوسکتا ہے۔

(ب) بعض مفسرین نے 'سبع سمٰوٰت' سے سات کائناتیں مراد لی ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کائنات ہماری مرئی کائنات کی طرح عظیم الشان ہے، جو ستاروں، سیاروں، نظام شمسی اور کہکشاؤں وغیرہ سے لب ریز ہے۔ اور یہ سات کائناتیں آیت کریمہ 'سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا' کے بہ موجب تہہ بہ تہہ ایک کے اوپر ایک واقع ہیں اور ان کے درمیان مضبوط حد فاصل ہے[۲۳]۔ بعض سائنس دانوں کے یہاں 'تعدّد کائنات' (Multi Universe) کا نظریہ بھی پایا جاتا ہے، مگر وہ مفسرین کی بیان کردہ تفصیلات سے پوری طرح مطابقت نہیں رکھتا۔

۲- اگر 'سبع' کے معنیٰ بے انتہا اور کثرت کے لیے جائیں تو اس صورت میں سماوات کا اطلاق مطلقاً 'اجرام سماوی' پر کیا جاسکتا ہے کہ اللہ نے لاتعداد اجرامِ سماوی کی تخلیق کی ہے۔ لفظ سماء کی دلالت اجرام سماوی پر بھی ہوتی ہے۔

اسی طرح اس آیت کے اگلے فقرے 'وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ' کی متعدد تفسیریں مروی ہیں:

۱- سبع سے متعین سات کا عدد مراد لیے جانے کی صورت میں اس آیت کا مطلب ہوگا: ''اللہ نے سات آسمانوں کی طرح سات زمینیں تخلیق کی ہیں''۔ اس صورت میں سات زمینوں سے کرۂ ارض کے سات برِّ اعظم مراد ہوں گے۔ (براعظم کے معنی پر لفظ اُرض کی دلالت پر بحث آگے ملاحظہ ہو)۔

۲- سبع سے کثرت مراد لیے جانے کی صورت میں 'وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ' کا مطلب ہوگا: ''بے شمار اجرامِ سماوی کی طرح اللہ نے انہی کے بہ قدر بے شمار زمینیں بھی پیدا کی ہیں۔''[۲۴] اس صورت میں زمینوں سے خارجی زمینیں مراد لی جاسکتی ہیں۔

بہر حال، یہ قرآن مجید کی ایک مشکل اور کثیر الوجوہ آیتِ کریمہ ہے، جس کی تفسیر جدید سائنسی تحقیقات کی روشنی میں متعدد پہلوؤں سے کی جاسکتی ہے۔

قرآن مجید میں خارجی زمینوں یا زمین نما سیاروں کے لئے 'اُرض' کے بجائے 'سماء' اور 'سماوات' کا استعمال بہ کثرت ہوا ہے۔ حسب ذیل آیات کریمہ ملاحظہ ہوں:

وَمِنْ آيٰتِهِ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَثَّ فِيْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ۔ (الشوریٰ:۲۹)	اور اس کے (وجود کے) دلائل میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ اس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا اور ان میں (ہر قسم کے) جان دار پھیلا دیے۔
أَفَغَيْرَ دِينِ اللَّهِ يَبْغُونَ وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَإِلَيْهِ يُرْجَعُونَ۔ (آل عمران:۸۳)	کیا اللہ کے دین کے سوا یہ کوئی اور دین تلاش کرتے ہیں، حالانکہ جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب خواہی ونا خواہی اسی کی تابع داری کرتے ہیں اور ان سب کو اسی کی طرف لوٹنا ہے۔

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَظِلَالُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ. (الرعد:۱۵)

اور چار وناچار اللہ ہی کو آسمانوں اور زمین والے سجدہ کرتے ہیں اور ان کے سایے بھی، صبح وشام۔

مذکورہ بالا آیات سے کئی اہم مفاہیم اخذ ہورہے ہیں، جن سے اوپر بیان کی گئی حضرت ابن عباس کی روایت کی مزید تائید وتصدیق ہوتی ہے:

۱- خارجی سیاروں میں زمین ہی کی طرح 'دابّۃ' یعنی رینگنے اور چلنے پھرنے والے جان دار موجود ہیں۔ دابۃ میں جن وانس، ملائکہ، شیاطین اور ان جیسی دوسری انواعِ حیات اور ہر قسم کے چلنے پھرنے اور رینگنے والے جان دار شامل ہوجاتے ہیں۔

۲- دوسری اور تیسری آیات میں ان سیاروں میں موجود جان داروں کے لیے لفظ 'مـــن' آیا ہے، جو ذوی العقول کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سیاروں میں عاقل اور ذی شعور مخلوقات بھی موجود ہیں۔

۳- ان آیات میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ارض وسماوات میں موجود مخلوقات اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہوتی ہیں۔

۴- مذکورہ بالا تمام باتیں خارجی سیاروں اور زمین دونوں کے بارے میں مشترک طور پر بیان کی گئی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح زمین پر ذی شعور مخلوقات کا معاشرہ قائم ہے اسی طرح ان سیاروں میں بھی ذی شعور مخلوقات کا معاشرہ رواں دواں ہے۔

۵- سورۂ انبیاء کی اوپر مذکور آیت میں یہ کائناتی اصول بیان کیا گیا ہے کہ پانی زندگی کے لیے ایک لازمی عنصر ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ مذکورہ بالا سیاروں میں بھی پانی پایا جاتا ہے۔

بہرحال ہمارا استشہاد ان آیات میں پائے جانے والے لفظ 'سـمٰوٰت' سے ہے۔ ان تینوں آیات میں 'سمٰوٰت' کو جمع اور 'أرض' کو واحد کے صیغہ میں استعمال کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ زمین ہی کی طرح ان میں بھی زندگی کا وجود ہے اور وہاں زندگی تقریباً اسی طرح پنپ رہی ہے جس طرح کہ زمین پر زندگی اور اس کے لوازم پائے جاتے ہیں۔ ان آیات میں

خارجی زمینوں کے لئے لفظ 'سماء' اور 'سمٰوٰت' کی دلالت بالکل واضح ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ 'السماوات والأرض' کی ترکیب، جو قرآن میں بارہا استعمال کی گئی ہے (اس کا استعمال تقریباً ۱۳۳ مرتبہ ہوا ہے) اس میں سماوات کا لفظ جمع کے معنی پر اور أرض کا لفظ واحد کے معنی (ہماری زمین) پر دلالت کرتا ہے۔ اگر لفظ 'الأرض' سے تمام زمینیں مراد لی گئی ہوتیں تو پھر ان آیات میں 'السماوات' کا استعمال بے محل ہوتا۔ کیونکہ اس کا استعمال ایسے ہی (اجرام) یعنی خارجی زمینوں کے لیے کیا گیا ہے جو زندگی کے لیے موزوں ہوں اور ان میں زندگی پائی بھی جارہی ہو۔

خلاصہ یہ کہ ان آیات میں جن اجرام کو 'سماوات' سے تعبیر کیا گیا ہے انہی کو سورۂ طلاق کی آیت اور پھر روایت ابن عباس میں زمینوں سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو خارجی زمینوں کے لیے سماء کی تعبیر محض نسبتی ہے، یعنی کہ ہر ایک جرم کی بہ نسبت دوسرے تمام اجرام اس کے سماء ہوئے، جب کہ اس جرم کے ساکنین کے لیے وہ جرم 'أرض' ہوا۔ اس لحاظ سے ہر جرم اپنے آپ میں ارض ہے اور دوسرے اجرام کے لئے سماء بھی۔

خارجی سیاروں کے لیے لفظ سماء وأرض کے استعمال میں فرق

اوپر کی مثالوں سے واضح ہوگیا ہے کہ قرآن مجید اور احادیث وروایات میں خارجی سیاروں کے لیے 'أرض' اور 'سماء' دونوں الفاظ کا استعمال ہوا ہے۔ لیکن اگر بہ نظر غائر دیکھا جائے تو ان کے استعمالات میں ایک اور لطیف فرق موجود ہے۔ لغوی اعتبار سے أرض کی معنوی وسعت میں صرف وہی خارجی سیارے آسکتے ہیں، جو سرسبزی وشادابی سے لب ریز اور بود وباش کے لائق ہوں، جب کہ 'سماء' کی معنوی وسعت میں صرف زمین نما سرسبز سیارے ہی نہیں، بلکہ بے آب وگیاہ اور ناقابلِ بود وباش سیارے بھی آجاتے ہیں۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو لفظ أرض خاص ہوا اور لفظ سماء عام، یعنی ہر أرض سماء ہوسکتا ہے مگر ہر سماء أرض نہیں ہوسکتا۔ روایات کا استدلال چونکہ قابل بود وباش سیاروں اور ان میں موجود ذی شعور مخلوقات ہی سے ہے، اس لیے ان میں 'أرض' اور 'أرضین' (جمع) کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں، جب کہ قرآن مجید میں

خارجی سیاروں کے لیے 'اَرض' کے بجائے 'سماء' اور 'سماوات' کا بہ کثرت استعمال ہوا ہے۔ کیونکہ قرآن کے استشہاد کا دائرہ قابل بود و باش خارجی زمینوں کے علاوہ دوسرے نا قابل بود و باش سیاروں تک وسیع ہے، جو کبھی زندگی کے لیے سازگار تھے، مگر اب بنجر اور سنگلاخ ہو چکے ہیں۔[۲۵]

ارض وسماء کی جامعیت

یہاں ایک اور نکتہ ذہن نشیں رہے کہ ہماری کائنات میں موجود جو اجرام سماوی قابل بود و باش ہیں، وہ سائنسی نقطۂ نظر سے دو قسم کے ہیں: ایک سیارے اور دوسرے چاند۔ سیارے وہ اجرام ہیں، جو کسی نظام شمسی میں اپنے سورج کے گرد چکر لگاتے ہیں، جب کہ چاند ان اجرام کو کہا جاتا ہے جو سورج کے بجائے کسی سیارے کے گرد چکر لگاتے ہیں، جیسے کہ ہماری زمین کا ایک چاند ہے۔ بعض سیارے ایسے بھی ہیں جن کے گرد ایک سے زائد چاند چکر لگاتے ہیں۔ لہٰذا فنّی اعتبار سے اگر چہ ان اجرام کی نوعیّتوں میں فرق ہے، مگر عربی زبان کے الفاظ 'اَرض وسماء' اتنے جامع اور وسیع ہیں کہ ان دونوں قسم کے اجرام پر ان کا اطلاق یکساں طور پر ہوسکتا ہے۔

اَرض بمعنی براعظم

روایات میں لفظ اَرض کا استعمال براعظم کے معنیٰ میں بھی ہوا ہے۔ براعظم اس بڑے زمینی حصہ کو کہا جاتا ہے جو پانی سے پوری طرح یا قریب قریب گھرا ہوا ہو۔ لہٰذا لغوی اعتبار سے براعظم پر لفظ 'اَرض' کا اطلاق کرۂ ارض پر اس کے اطلاق ہی کی طرح دو معنوں میں درست ہوسکتا ہے۔ پہلا یہ کہ کرۂ ارض ہی کی طرح براعظمی زمین بھی انسان کی بہ نسبت ہمیشہ نیچے کی جانب اور انسانوں کے قدموں تلے رہتی ہے۔ دوسرا معنیٰ یہ کہ کرۂ ارض ہی کی طرح براعظمی زمین سرسبزی وشادابی سے معمور ہوتی ہے یا ہونے کے قابل رہتی ہے۔

متعدد روایات میں براعظموں کے لیے لفظ 'اَرض' (جمع اَرضون / اَرضین) کا استعمال کیا گیا ہے۔ اس کی ایک مثال کوہِ قاف کے متعلق حضرت ابن عباس کی روایت ہے جس کا حوالہ اوپر آچکا ہے۔ اس میں ہے:

عن ابن عباس رضی الله عنهما فی قوله عزوجل 'ق والقرآن المجید' قال: أنبت الله عزوجل من الیاقوتة جبلًا فأحاط بالأرضین السبع علی مثل خلق الیاقوتة فی حسنها وخضرتها وصفائها. فصارت الأرضون السبع فی ذلک الجبل کالأصبع فی الخاتم..... الخ[۲۶]

حضرت ابن عباس نے اللہ تعالی کے اس ارشاد 'ق، والقرآن المجید' کے متعلق فرمایا کہ اللہ تعالی نے یاقوت سے ایک پہاڑ کو پیدا کیا۔ اس پہاڑ نے ساتوں زمینوں کو اپنے گھیرے میں لے لیا، جو اپنی خوب صورتی، سرسبزی اور صفائی میں یاقوت کے مانند ہے۔ لہٰذا اس پہاڑ کے مقابلے میں ساتوں زمینوں کی حیثیت انگلی میں انگوٹھی کے مانند ہے۔ (یعنی کہ ساتوں زمینیں انگلی ہیں، جس پر کوہِ قاف انگوٹھی کے مانند براجماں ہے۔)

اس روایت میں بتایا گیا ہے کہ کوہِ قاف ساتوں زمینوں کو گھیرے ہوئے ہے۔ اس کی کیفیت کی تمثیل اس طرح بیان کی ہے جس طرح انگوٹھی نے انگلی کو گھیر رکھا ہو۔ یہ روایت جدید جیولوجیائی تحقیقات کی روشنی میں انتہائی اہمیت کی حامل ہے[۲۷]۔

ہمارا استشہاد اس روایت میں وارد لفظ 'سبع اَرضین' سے ہے، جس سے سات براعظم مراد لیے گئے ہیں۔ کوہِ قاف کو جیولوجیائی اصطلاح میں سمندری ریڑھ (Oceanic Ridge) کا نام دیا گیا ہے۔ وہ کرۂ ارض کا واحد پہاڑی سلسلہ ہے، جو پورے کرۂ ارض کو گھیرے ہوئے ہے۔ اس کا محل وقوع کرۂ ارض کے سمندر ہیں۔ وہ کرۂ ارض کے ساتوں سمندروں سے گزر کر کرۂ ارض کے ساتوں براعظموں کو گھیرے ہوئے ہے، جس طرح کہ انگوٹھی انگلی کو گھیرے ہوتی ہے۔[۲۸]

اَرض بمعنی خشکی

قرآن مجید میں ایک جگہ لفظ 'اَرض' کا استعمال کرۂ ارض کی جملہ خشکی (Land) کے حصہ کے لیے کیا گیا ہے:

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا... (الرعد:۴۱)

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم زمین (خشکی) کو اس کے کناروں کی جانب سے گھٹاتے آرہے ہیں۔

مزید دیکھئے: الأنبیاء:۴۴

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین سے مختلف اقوال مروی ہیں، جن میں سے دو اقوال

زیادہ متداول ہیں: اول یہ کہ اس کے مخاطب کفار مکہ ہیں، جن پر اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی فتوحات کی وجہ سے زمین تنگ کرتا جارہا ہے۔ یہ قول مرجوح ہے۔ دوسرا قول، جو راجح ہے، وہ یہ کہ اس آیت کریمہ میں زمین کو اس کے کناروں سے گھٹانے کا مطلب زمینی حصہ کا اس کے کناروں کی جانب سے بربادی ہے۔ اس کی وجہ سے کرۂ ارض کے مکینوں کو بے شمار جانی و مالی نقصان ہوگا۔ کبار مفسرین صحابہ وتابعین، جن میں حضرت ابن عباسؓ، عکرمہؒ، مجاہدؒ، اور ابن جریجؒ وغیرہ قابل ذکر ہیں، اسی کے قائل تھے۔ اس سلسلہ میں ان سے مروی بعض روایات حسبِ ذیل ہیں:

عن ابن عباس فی قوله 'أنا نأتي الأرض ننقصها من أطرافها' قال: أولم يروا إلى القرية تخرب حتى يكون العمران فی ناحية۔[۲۹]

ابن عباسؓ نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد 'أنا نأتي الأرض ننقصها من أطرافها' کے متعلق فرمایا: اس کا مطلب ہے: کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ گاؤں برباد ہورہے اور آبادیاں کنارے ہوتی جارہی ہیں۔

قال مجاهد: نقصان الأنفس والثمرات وخراب الأرض۔[۳۰]

مجاہدؒ نے فرمایا: اس سے مراد جانوں اور پھلوں کا نقصان اور زمین کی بربادی ہے۔

عن عكرمة فی قوله 'أولم يروا أنا نأتي الأرض ننقصها من أطرافها' قال: نخرب من أطرافها۔[۳۱]

عکرمہؒ سے اللہ تعالیٰ کے ارشاد 'أولم يروا أنا نأتي الأرض ننقصها من أطرافها' سے متعلق روایت ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے برباد (غرقاب) کرتے آرہے ہیں۔

قال ابن جريج: خرابها وهلاك الناس۔[۳۲]

ابن جریج نے فرمایا: اس سے مراد زمین کی بربادی اور لوگوں کا ہلاک ہونا ہے۔

درج بالا آیت قرآنی میں جس مظہر کے وقوع کا تذکرہ کیا گیا ہے وہ بیسویں اور اکیسویں صدی کے ہیبت ناک مظاہر فطرت میں سے ایک مظہر ہے۔ یہ مظہر سطحِ سمندر میں اضافہ (Sea Level Rise) کی شکل میں ظاہر ہورہا ہے، جس سے کرۂ ارض کے ساحلی علاقوں کو غرقابی کا سنگین خطرہ لاحق ہوگیا ہے۔ دراصل عالمی تمازت (Global Warming) میں اضافہ کی وجہ سے کرۂ ارض کے گلیشیرز اور برفانی تودے بڑے پیمانے پر پگھلنے لگے ہیں،

جس کی وجہ سے ان میں محبوس پانی پگھل کر سمندروں میں شامل ہوجانے کی وجہ سے سمندری سطح میں اضافہ ہورہا ہے۔ اس کی وجہ سے دنیا کے تمام ساحلی شہروں اور علاقوں کو غرقابی کا خطرہ درپیش ہے۔ اس مظہر کے رونما ہونے کی وجہ سے ۱۹۵۰ء سے سطحِ سمندر میں سالانہ تقریباً ۷ء۱ ملی میٹر کا اضافہ ہوا ہے۔ ۱۹۹۳ء کے بعد یہ شرح بڑھ کر ۳ء۳ ملی میٹر سالانہ ہوگئی ہے۔ اگلی چند دہائیوں میں اس کی سطح میں مزید تیزی سے اضافہ کی پیش گوئی کی جارہی ہے، جس سے اس کے تباہ کن نتائج سامنے آنے کا اندیشہ ہے۔ ایک تخمینے کے مطابق سطحِ سمندر میں ۵-۱۰ میٹر اضافہ سے دنیا کے عظیم ترین شہروں کے ڈوبنے کا خطرہ لاحق ہوجائے گا۔ مستقبل قریب میں یہ صورت حال یقینی طور پر پیش آنے والی ہے۔ اس سے بھی ہیبت ناک اور سنگین منظر نامہ یہ ہے کہ سائنس دانوں کے مطابق اگر کرۂ ارض کے اوسط درجۂ حرارت میں ۵ء۳ فی صد اضافہ ہوجائے، جس کو سائنس داں مستقبل قریب کے ایک یقینی واقعہ کے طور پر دیکھ رہے ہیں تو پھر کرۂ ارض کے تمام گلیشیرز پگھل کر ختم ہوجائیں گے اور سطحِ سمندر میں ۱۵۰-۲۰۰ میٹر تک اضافہ ہوجائے گا، جس سے ایک اندازے کے مطابق کرۂ ارض کی موجودہ خشکی کا تقریباً ۴۰ فیصد حصہ ڈوب جائے گا۔[۳۳]

اَرض بمعنی قشرِ ارض

بعض روایات میں لفظ اَرض ایک اور الگ اور منفرد معنی میں مستعمل ہوا ہے، جس کی معنویت پر جدید جیولوجیائی تحقیقات کے ذریعہ بخوبی روشنی پڑتی ہے۔ اور وہ ہے قشر ارض (Crust) کے معنی پر اس کی دلالت۔ کوہِ قاف کے سلسلے میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی روایت کے الفاظ بعض کتابوں میں یہ ہیں:

عن ابن عباسؓ قال: خلق الله جبلا يقال له 'ق' محيط بالأرض (وفي رواية محيط بالعالم) وعروقه الى الصخرة التي عليها الأرض... الخ

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا: اللہ تعالی نے ایک پہاڑ پیدا کیا ہے، جسے ق کہتے ہیں، وہ کرۂ ارض (ایک روایت میں دنیا) کو گھیرے ہوئے ہے اور اس کی جڑیں اس چٹان پر ہیں جس پر زمین قائم ہے.....۔

اس روایت میں لفظ اُرض کا دو جگہوں پر استعمال ہوا ہے اور دونوں جگہوں پر اس کے الگ الگ معانی مراد ہیں۔ پہلی جگہ بتایا جارہا ہے کہ کوہِ قاف ارض (زمین) کو گھیرے ہوئے ہے، جبکہ دوسری جگہ بتایا جارہا ہے کہ 'اُرض' (زمین) ایک چٹان پر قائم ہے۔

ماہرینِ علمِ ارضیات کے مطابق کرۂ ارض کی چار طبقاتی پرتیں (Layers) ہیں۔ان میں سے سب سے اوپری پرت قشرارض (Crust) ہے اور دوسری پرت یعنی غلاف ارض (Mantle) کا اوپری حصہ ٹھوس چٹانوں پر مشتمل ہے۔قشرارض اور غلاف ارض کی اس مشترکہ چٹانی پرت کو کرۂ حجری (Lithosphere) کہا جاتا ہے۔ یہ کرۂ حجری ہمارے کرۂ ارض کو گھیرے ہوئے ہے اور اس کی موٹائی ہر جگہ اوسطاً تقریباً سو کلومیٹر ہے۔کرۂ ارض کی اس داخلی چٹانی پرت کے بالائی حصہ پر کرۂ ارض کے تمام براعظم اور سمندر واقع ہیں۔اس پرت کی موٹائی براعظموں کے نیچے تقریباً چالیس کلومیٹر ہے، جب کہ سمندروں کے فرش تلے اس کی موٹائی تقریباً ۸ کلومیٹر ہے۔روایت کے اس ٹکڑے میں 'اُرض' سے قشرِ ارض کی یہی بالائی پرت مراد ہے، جو پہاڑوں، سمندروں اور براعظموں وغیرہ پر مشتمل ہے۔یعنی زمین کی یہ اوپری پرت اس عظیم الشان چٹان پر قائم ہے، یا دوسرے الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ براعظم اور سمندر اس کی پیٹھ پر سوار ہیں، جسے کرۂ حجری (Lithosphere) کہا جاتا ہے۔ روایت میں اس کرۂ حجری کو 'صخرۃ' (چٹان) سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اگر یہ عظیم الشان چٹان نہ ہوتی تو یہ وسیع وعریض براعظم، سمندر اور عظیم الشان پہاڑ کرۂ ارض کی سطح پر آزادانہ طور پر ٹک نہ پاتے، کیونکہ اس کرۂ حجری کے نیچے کا پورا مواد بے انتہا گرم آتشی اور سیال لاوے پر مشتمل ہے۔نتیجتاً پورا کرۂ ارض آگ کے ایک عظیم گولے میں تبدیل ہو چکا ہوتا، جو اپنی تمازت میں سورج سے بھی زیادہ گرم ہوتا، اس صورت میں یہ ماحول کرۂ ارض پر زندگی کے وجود وبقا کے لئے بالکل سازگار نہ ہوتا۔

لغوی اعتبار سے لفظ 'اُرض' کا قشرارض پر اطلاق اس معنیٰ میں درست ہے کہ کرۂ ارض پر اس کا وجود بھی انسان کی بہ نسبت ہمیشہ نیچے کی جانب اور اس کے قدموں تلے رہتا ہے۔

کثیر المعانی الفاظ کے استعمال کی حکمتیں

مذکورہ بالا بحث سے واضح ہوگیا کہ اَرض وسماء کے الفاظ اپنی معنوی وسعت میں کس قدر ہمہ گیر ہیں اور قرآن مجید اور احادیث و روایات میں وہ کتنے متنوع اور گوناگوں معانی ومفاہیم پر دلالت کے لیے استعمال کیے گئے ہیں۔ ان الفاظ سے جو معانی ومفاہیم مبرہن ہورہے ہیں وہ لغوی اعتبار سے عربی الفاظ کے عمیق اور اصل الاصول معانی، جدید سائنسی تحقیقات کا لب لباب اور قرآن وحدیث کے علمی اعجازات میں سے ہیں۔

کلامِ الٰہی میں ایسے کثیر المعانی الفاظ کا استعمال کئی مقاصد کی تکمیل کے لیے کیا گیا ہے۔ ان میں سے ایک اہم مقصد سائنسی اعتبار سے اُس کم ترقی یافتہ دور میں لوگوں کی عقلی وعلمی سطح کا خیال ملحوظ رکھنا ہے کہ ان الفاظ کو مبہم اور مختلف الوجوہ انداز میں بیان کیا جائے، تاکہ جب یہ علوم ترقی کرتے ہوئے اس منزل کو پہنچ جائیں، جہاں سے ان مظاہر کا سمجھنا آسان ہوجائے تو ان ذی وجوہ اور کثیر المعانی الفاظ کے صحیح مدلولات کا تعین غور وخوض کے بعد ٹھیک ٹھیک طور پر ہوجائے اور قرآن اور حدیث کا اعجاز نمایاں ہوجائے۔

حواشی ومراجع

۱۔ معجم الصحاح فی اللغۃ، اسماعیل بن حماد جوہری، دار المعرفۃ بیروت، ۱۴۲۹ھ، ص ۳۳۲؛ لسان العرب، ابن منظور، دار صادر بیروت، ۲۰۰۵ء، ۱۴/ ۳۹۷؛ تاج العروس، مرتضی زبیدی، وزارۃ الاعلام کویت، ص ۸۴۳۷؛ مختار الصحاح، محمد بن ابی بکر الرازی، مکتبۃ لبنان بیروت ۱۴۱۵ھ، ص ۳۲۶

۲۔ Meteors and Meteorites , NASA. 2010-07-12.

۳۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو راقم کی زیرطبع کتاب: 'موسمی تبدیلی اور قیامت'

۴۔ النکت والعیون المعروف بہ تفسیر الماوردی، ابوالحسن علی بن محمد الماوردی البصری، ۲/ ۳۴۵

۵۔ المفردات فی غریب القرآن، راغب اصفہانی، دار المعرفۃ بیروت، ص ۴۱

۶۔ عربی زبان میں اسم جنس کی کئی اقسام ہیں: ایک قسم 'اسم جنس افرادی' ہے، جو کسی شئ کے قلیل اور کثیر دونوں پر دلالت کے لیے موزوں ہوتی ہے۔ جیسے لفظ 'عسل' (شہد) اور لفظ

'لبن' (دودھ) اسم جنس ہیں۔ لہذا شہد اور دودھ کا اطلاق جس طرح ان کی تھوڑی مقدار پر درست ہے اسی طرح ان کی بڑی مقدار پر بھی درست ہے۔ اسم جنس کی دوسری قسم 'اسم جنس جمعی' ہے، جو جمع تکسیر کی ایک قسم ہے اور فرد کے بجائے جماعت کے معنی پر دلالت کرتی ہے۔ ایسے لفظ پر اگر تاء تانیث یا یاء نسبتی کا اضافہ کر دیا جائے تو وہ اس کا واحد بن جاتا ہے۔ جیسے: تمر- تمرۃ (کھجور)، زہر- زہرۃ (پھول)، قریش-قرشی، ہند- ہندی وغیرہ۔ لفظ اُرض اسم جنس کی ان دونوں اقسام کی خصوصیات کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔

۷ القاموس المحیط، مجدالدین فیروز آبادی، دارالکتاب العربی بیروت، ۲۰۰۸ء، ص ۸۲۰

۸ لسان العرب، ابن منظور، ج ۷، ص ۱۱۱-۱۱۲۔

۹ حوالۂ سابق: ص ۱۶؛ نیز البرہان فی علوم القرآن، بدر الدین زرکشی، المکتبۃ العصریۃ، بیروت، ۱۴۲۷ھ

۱۰ معجم الصحاح، جوہری، ص ۳۷؛ لسان العرب، ابن منظور، ۱/ ۸۷؛ تاج العروس، زبیدی، ۱۸/ ۲۲۶۔

۱۱ المفردات فی غریب القرآن، راغب اصفہانی، ص ۱۶۔

۱۲ لسان العرب، ۱/ ۸۸؛ تاج العروس، ۱۸/ ۲۲۶؛ معجم الصحاح، ص ۳۷۔

۱۳ لسان العرب: ۱/ ۸۸۔

۱۴ کتاب العین (مرتبا علی حروف المعجم)، الخلیل بن أحمد الفراہیدی، دارالکتب العلمیۃ بیروت، ۱۴۲۴ھ، ۲۰۰۳ء، ص ۶۴

۱۵ حوالۂ سابق

۱۶ المفردات فی غریب القرآن، ص ۱۶

۱۷ المنجد، دارالمشرق بیروت، ۲۰۰۸ء

۱۸ المفردات فی غریب القرآن، ص ۱۶

۱۹ العقوبات، ابن أبی الدنیا، دار ابن حزم، ۱۴۱۶ھ/ ۱۹۹۶ء، حدیث ۲۳؛ العظمۃ، أبو الشیخ بن حیان، دارالعاصمۃ الریاض، ۱۴۰۸ھ، ۴/ ۱۴۸۹؛ الہیئۃ السنیۃ، جلال الدین السیوطی، مخطوطات مکتبۃ الازہر الشریف، مخطوطہ نمبر ۳۲۰۱۴۹، ص ۳۱

۲۰ اس پر مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو راقم کی کتاب: زلزلوں کا اسلامی فلسفہ، فرقانیہ اکیڈمی بنگلور، ۲۰۱۱ء

۲۱ تفسیر ابن ابی حاتم، ابن ابی حاتم الرازی، دار ابن قیم، سعودی عرب، ۱۴۰۸ھ، ۱۲/۳۲۰؛ المستدرک علی الصحیحین، ابوعبداللہ حاکم، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ۱۴۱۱ھ، حدیث ۳۸۲۲؛ الأسماء والصفات، بیہقی، مکتبۃ السوادی، جدہ، ۱۴۱۳ھ، حدیث ۷۹۹۔ صححه الحاكم والذهبي و قال البيهقي: إسناده صحيح، ولكنه شاذ لا أعلم لأبي الضحى عليه متابعا۔

۲۲ اس موضوع پر تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو راقم کی زیر طبع کتابیں: ''علم الکائنات: 'قرآن، حدیث اور جدید سائنس کی روشنی میں'، اور 'موسمی تبدیلی اور قیامت' (تیسری جلد)

۲۳ ملاحظہ ہو: سورج کی موت اور قیامت، مولانا محمد شہاب الدین ندویؒ، فرقانیہ اکیڈمی ٹرسٹ بنگلور

۲۴ دیکھئے تفسیر الدر المنثور، جلال الدین سیوطی اور تفسیر النکت والعیون، الماوردی۔

۲۵ اس موضوع پر تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو راقم کی زیر طبع کتاب 'موسمی تبدیلی اور قیامت' (جلد سوم)۔

۲۶ العظمۃ، ابوالشیخ بن حیان، ۴/۱۴۸۴۔

۲۷ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو راقم کی کتاب: زلزلوں کا اسلامی فلسفہ۔

۲۸ احادیث و روایات میں لفظ 'اَرض' کے براعظم کے معنیٰ میں مستعمل ہونے کی بعض مزید مثالیں راقم نے اپنی تصنیف 'کتاب الجغرافیہ' میں بیان کی ہیں۔

۲۹ جامع البیان عن تاویل آی القرآن المعروف بہ تفسیر طبری، ابوجعفر محمد بن جریر الطبری، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، ۲۰۰۰ء، ۱۶/ ۴۹۵۔

۳۰ تفسیر القرآن العظیم المعروف بہ تفسیر ابن کثیر، ابن کثیر، مکتبۃ دار التراث، القاہرۃ، ۴/۴۷۲

۳۱ تفسیر الطبری: ۱۶/ ۴۹۵۔

۳۲ حوالۂ سابق

۳۳ اس موضوع پر تفصیلی بحث کے لیے ملاحظہ ہو راقم کی زیر طبع کتاب: 'موسمی تبدیلی اور قیامت'

☆☆☆

علامہ ابن قیمؒ اور نقدِ حدیث

ڈاکٹر محمد سلیم قاسمی

علامہ حافظ ابن قیمؒ آٹھویں صدی ہجری کے مشہور امام ہیں۔ انھیں تفسیر، حدیث اور فقہ میں عبور حاصل تھا۔ ان علوم میں انھوں نے نمایاں خدمات اور عظیم الشان کارنامے انجام دیے ہیں۔

مختصر حالاتِ زندگی

حافظ ابن قیمؒ ۶۹۱ھ مطابق ۱۲۹۲ء میں دمشق میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد ابوبکر بن ایوب وہاں مدرسۃ الجوزیۃ کے 'قیّم' (مہتمم) تھے۔ اسی بنا پر انھیں ابن القیم الجوزیۃ کہا جاتا ہے۔ انھوں نے علم الفرائض اپنے والد سے سیکھا، جس میں انھیں مہارت حاصل تھی۔ دیگر علوم و فنون اپنے زمانے کے مشہور اساتذہ اور شیوخ سے حاصل کیے۔ انھوں نے اپنے زمانے کے جن نام ور ائمہ اور محدثین سے احادیث اخذ کیں ان میں سرفہرست علامہ ابن تیمیہؒ (م ۷۲۸ھ) ہیں، جن سے انھیں خصوصی تعلق تھا۔ ۷۱۲ھ میں جب ابن تیمیہؒ مصر سے دمشق واپس آئے تو ابن قیم ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کی وفات تک برابر ان کی خدمت میں رہے، ایک لمحے کے لیے بھی ان سے مفارقت گوارا نہ کی۔ اس طویل صحبت کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان پر ابن تیمیہ کا رنگ اور ان کا فکر و فلسفہ غالب آ گیا۔ ابن تیمیہ کی وفات کے بعد ان کی کتابوں کی تہذیب و تبویب اور نشر و اشاعت میں آپ کا بڑا حصہ رہا۔ علامہ ابن قیم نے ساٹھ سال کی عمر میں ۱۳/ رجب ۷۵۱ھ مطابق ۶/ اگست ۱۳۵۰ء میں دمشق میں وفات پائی اور اپنے والد محترم کے پہلو میں باب الصغیر کے قبرستان میں ان کی تدفین عمل میں آئی۔ آپ کے مشہور شاگردوں میں شیخ زین الدین ابوالفرج عبدالرحمٰن بن رجب (مصنف طبقات الحنابلۃ)، محمد بن رافع الشافعی اور آپ کے فرزند ابراہیم ابن القیم الجوزیۃ نمایاں ہیں۔

نقدِ حدیث کے موضوع پر تصنیف

حافظ ابن القیم نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں، جن میں بیش تر دست بردِ زمانہ سے نادرالوجود ہوچکی ہیں۔ حافظ ابن العماد حنبلیؒ نے 'شذرات الذہب' میں پینتالیس (۴۵) اور بروکلمان نے اپنی 'تاریخ ادبیات عربی' میں ان کی باون (۵۲) کتابوں کا تذکرہ کیا ہے۔ ان میں 'المنار المنیف فی الصحیح والضعیف' ایک اہم تصنیف ہے، جو دست بردِ زمانہ سے محفوظ رہی اور اب شائع ہوچکی ہے۔ اس کتاب میں انھوں نے نقد حدیث کے اصولوں پر تفصیلی بحث کی ہے اور معرفتِ حدیث کے ضوابط اور موضوع روایتوں کی پہچان اور اس کی علامات بیان کی ہیں، پھر ان کی روشنی میں موضوع اور غیر صحیح روایتوں کی نشان دہی بھی کی ہے۔ یہ کتاب انھوں نے ایک سائل کے جواب میں لکھی تھی۔ سوال یہ تھا کہ کیا سند دیکھے بغیر کسی ضابطے کے تحت موضوع روایتوں کی شناخت ممکن ہے؟ شیخ نے اس کے جواب میں لکھا تھا:

هذا سوال عظيم القدر وانما يعرف ذلک من تضلّع فی معرفة السنن الصحيحة واختلطت بلحمه ودمه وصار له فيها ملكة واختصاص شديد بمعرفة السنن والآثار ومعرفة سيرة الرسول عليه الصلاة والسلام وهديه فيما يامر به وينهى عنه ويخبر عنه ويدعو اليه ويحبه ويكرهه ويشرعه للأمة بحيث كانه مخالط له عليه الصلاة والسلام بين أصحابه الكرام فمثل هذا يعرف عن أحواله وهديه وكلامه وأقواله وأفعاله۔[۱]

یہ بڑے مرتبہ کا سوال ہے۔ انھیں وہی جان سکتا ہے جو سنن پر حاوی ہو اور جس کے خون و گوشت میں وہ مخلوط ہوگئی ہوں اور ان میں اس کو ملکہ حاصل ہوگیا ہو۔ اور سنن و آثار کے پہچاننے میں اور حضور ﷺ جس چیز کی ہدایت دیتے تھے، جس کا حکم دیتے تھے، جس سے منع فرماتے تھے، جس چیز کی خبر دیتے تھے، جس بات کی دعوت دیتے تھے، جس بات کو پسند کرتے تھے، جس کو برا سمجھتے تھے، جس کی امت کو تعلیم دیتے تھے، سب کو جاننے میں اس کو اختصاص حاصل ہوگیا ہو۔ گویا وہ حضور کے سامنے ہو اور صحابہ کے ساتھ ہو۔ اس طرح کا آدمی حضور ﷺ کے احوال، ہدایت، کلام اور اقوال وافعال کو جان سکتا ہے۔

نقدِ حدیث بذریعہ درایت

حدیث کی اس طرح معرفت اور نقد و تحقیق 'درایت' کہلاتی ہے، جو بڑا اہم اور مشکل فن ہے۔ بڑے بڑے ائمہ حدیث، جیسے علامہ ابن جوزیؒ اور امام جوزقانیؒ سے لے کر امام ذہبیؒ تک، بلکہ ان کے بعد کے ائمہ نے بھی اس فن میں کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں۔ ان ہی ائمہ میں حافظ ابن قیم کا بھی شمار ہوتا ہے۔

یہ فن درحقیقت ایسے ملکہ کا نام ہے جو حدیث رسول سے بہت زیادہ ممارست کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے۔ جس طرح ایک جوہری جوہر پرکھنے کے راز کو مدتوں اس میں وقت لگانے کے بعد حاصل کرتا ہے اور پھر وہ اپنے علم و ہنر کی بنیاد پر کسی کو ہیرا اور کسی کو خذف ریزہ کہتا ہے، اسی طرح معرفت حدیث کا ملکہ بھی حدیث سے طویل مشق و ممارست کے بعد حاصل ہوتا ہے، جس کی بنیاد پر حدیث کا پارکھ پہچان لیتا ہے کہ یہ حدیث ہے یا نہیں۔

اس علم وفن کی حقیقت بیان کرتے ہوئے علامہ سخاویؒ حافظ دقیق العیدؒ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ ''الفاظ حدیث سے بہ کثرت ممارست کے نتیجے میں ایک روحانی ہیئت اور قوی ملکہ حاصل ہوتا ہے، جس سے یہ معلوم کرنا آسان ہوتا ہے کہ الفاظ نبوی کیا ہوسکتے ہیں اور کیا نہیں'' [۲]

صحیح حدیثوں میں قرآن کی نورانیت اور دن کے مانند روشنی ہوتی ہے، جس سے اہل بصیرت اسے پہچان لیتے ہیں اور موضوع روایتوں میں سطحیت، بے تکا پن اور جھوٹ کی تاریکی ہوتی ہے، جس سے وہ ناقابل قبول قرار پاتی ہیں۔ مشہور تابعی ربیع بن خیثمؒ نے فرمایا کہ ''حدیث صحیح میں دن کے مانند ایک خاص قسم کی روشنی ہوتی ہے، جو ارباب بصیرت کے نزدیک پہچانی جاتی ہے اور موضوع روایت میں رات کی تاریکی کے مانند ایک خاص قسم کی تاریکی ہوتی ہے، جس کو ارباب بصیرت قبول نہیں کرتے''۔

حافظ ابن قیم حدیث کے ان ائمہ میں سے ہیں جو اس علم سے بخوبی واقفیت رکھتے تھے۔ وہ موضوع روایتوں کی پہچان بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الاحاديث الموضوعة عليها ظلمة وركاكة ومجازفات باردة تنادى على وضعها واختلاقها على رسول الله ﷺ [۳]	موضوع روایتوں میں تاریکی، سطحیت اور کھلا ہوا بے تکا پن ہوتا ہے، جو اس کے موضوع ہونے کو علی الاعلان خود ظاہر کرتا ہے۔

مثال کے طور پر ایک روایت ہے:

من صلّی الضحیٰ کذا او کذا رکعة اعطی ثواب سبعین نبیا۔[۴]	جس نے چاشت کی اتنی اتنی رکعت نماز پڑھی اس کو ستّر نبیوں کا ثواب دیا جاتا ہے۔

اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے حافظ ابن قیم نے فرمایا کہ یہ موضوع ہے۔ اس کی دلیل انھوں نے یہ دی کہ غیر نبی کی نماز کا ثواب اتنا نہیں ہوسکتا جتنا ایک نبی کی نماز کا ہوتا ہے۔ لکھتے ہیں کہ یہ روایت وضع کرنے والا اتنا جاہل تھا کہ اسے یہ پتہ نہیں کہ اگر ایک غیر نبی کو عمر نوح مل جائے اور وہ مسلسل نماز پڑھتا رہے تب بھی وہ ایک نبی کے ثواب کے برابر حق دار نہیں ہوگا[۵] (چہ جائے کہ اسے ستر نبیوں کا ثواب ملے)۔

کلامِ نبوی کی پرکھ رکھنے والے اچھی طرح پہچانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا کلام کیسا ہوتا تھا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص برسوں کسی کی خدمت کرے، جس سے وہ اس کی پسند و ناپسند سے واقفیت حاصل کرلے، پھر کوئی شخص اس کی پسندیدہ شئے کے بارے میں یہ کہے کہ وہ اسے ناپسند کرتا تھا تو یہ شخص کہنے والے کی فوراً تردید کرے گا۔ اسی طرح کوئی شخص اس کی ناپسندیدہ شئے کے بارے میں یہ دعویٰ کرے کہ وہ اسے پسند کرتا تھا تب بھی یہ شخص کہنے والے کی فوراً تردید کرے گا۔ علامہ ابن قیم کہتے ہیں کہ حدیث جس شخص کی رگ رگ میں پیوست ہوگئی ہو اس کے لیے یہ جان لینا مشکل نہیں کہ کلام نبوی کیا ہوسکتا ہے کیا نہیں، آپ کا کلام 'وحی یوحیٰ' ہوتا تھا۔ اس لحاظ سے آپؐ کے کلام سے کسی قرآنی اصول کی خلاف ورزی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ لکھتے ہیں:

ان یکون کلامه لایشبه کلام الانبیاء فضلا عن کلام الرسول ﷺ الذی هو وحی یوحیٰ، فیکون الحدیث مما لایشبه الوحی بل لایشبه کلام الصحابة۔[۶]	ضعیف وہ کلام بھی ہے جو کلام انبیاء کے مشابہ نہ ہو، چہ جائے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کا کلام ہو، جن کے پاس وحی آتی تھی، لہٰذا ایسی حدیث جو وحی کے مشابہ نہ ہو، بلکہ وہ کلام صحابہ کے مشابہ بھی نہ ہو، ضعیف ہوگی۔

مثال کے طور پر ایک روایت یہ بیان کی گئی ہے:

ثلاثة تزيد في البصر: النظر الى الخضرة والماء الجاري والوجه الحسن۔[۷]

تین چیزیں بصارت میں اضافہ کرتی ہیں: سبزہ کی طرف دیکھنا، بہتے ہوئے پانی کو دیکھنا اور خوب صورت چہرہ کو دیکھنا۔

دوسری روایت کے یہ الفاظ ہیں:

النظر الى الوجه الجميل عبادة۔[۸]

خوب صورت چہرہ کو دیکھنا عبادت ہے۔

حافظ ابن قیم نے ان روایات پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

كل حديث فيه ذكر حسان الوجوه او الثناء عليهم اوالامر بالنظر اليهم او التماس الحوائج منهم او ان النار لاتمسهم فكذب مختلق وافك مفترىٰ۔[۹]

ہر وہ روایت جس میں خوب صورت چہرہ والوں کا ذکر ہو، یا ان کی تعریف کی گئی ہو، یا ان کو دیکھنے کا حکم دیا گیا ہو، یا ان سے ضروریات طلب کرنے کی بات کہی گئی ہو، یا ان کو عذاب نہ دیے جانے کی بشارت دی گئی ہو، ایسی تمام روایات موضوع اور بہتان کے قبیل سے ہوں گی۔

اسی طرح وہ تمام روایات بھی موضوع شمار ہوں گی جن میں احمد یا محمد نام رکھنے والے کے عذاب جہنم سے نجات پانے کی بات کہی گئی ہو۔ جیسے یہ روایت:

''اے محمد (ﷺ) اللہ عز وجل آپ پر سلام بھیجتا ہے اور کہتا ہے کہ میری عزت وجلال کی قسم، میں کسی ایسے شخص کو عذاب نہیں دوں گا جس کا نام آپ کے نام پر ہوگا۔''[۱۰]

اس روایت کو حافظ ابن قیم نے موضوع قرار دیا ہے[۱۱] کیونکہ یہ بات اصول شریعت سے ثابت ہے کہ قیامت میں کوئی شخص رنگ ونسل، نام ولقب، جنس وذات، قرابت ورشتہ داری، کسی پیر یا پیغمبر کی طرف نسبت وغیرہ کے ذریعہ نجات نہیں حاصل کرسکتا۔ نجات کا دارومدار ایمان اور عمل صالح پر ہے۔ کوئی شخص ان سے محروم ہو تو اسے ہرگز نجات نہیں مل سکتی، خواہ وہ نبی کے جگر کا ٹکڑا کیوں نہ ہو۔

حافظ ابن قیم نے ان تمام روایات اور مزعومات کو بھی باطل قرار دیا ہے جن میں

رسول اللہ ﷺ کے علم غیب سے متصف ہونے کا ذکر کیا گیا ہے[۱۲]۔ کیونکہ یہ روایات درج ذیل قرآنی آیت کے خلاف ہیں:

قُل لاَّ أَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعاً وَلاَ ضَرّاً إِلاَّ مَا شَاء اللّهُ وَلَوْ كُنتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لاَسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ۔ (الاعراف:۱۸۸)	اے نبی! کہہ دیجیے کہ میں اپنے نفع اور نقصان کا مالک نہیں ہوں، مگر جو اللہ چاہے۔ اگر میں غیب کو جانتا تو اپنے لیے بہت سی بھلائی جمع کر لیتا اور کوئی تکلیف مجھے نہ لاحق ہوتی۔

قرآن کریم حدیث نبویؐ کی اصل و اساس ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے تمام افعال و اقوال قرآن کے ترجمان ہیں۔ حدیث صحیح میں ہے کہ جب حضرت عائشہ سے نبی ﷺ کی سیرت کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انھوں نے فرمایا: كَانَ خُلُقُهُ الْقُرآن[۱۳] (آپ کا اخلاق قرآن تھا) اور قرآن کریم میں ہے: ''وَاَنْزَلْنَا اِلَيْکَ الذِّکْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ اِلَيْهِمْ '' (النحل:۴۴) (ہم نے آپ کی طرف قرآن اتارا، تاکہ آپ اس چیز کو لوگوں سے کھول کر بیان کر دیں جو ان کی طرف اتارا گیا)۔ اس لیے آپؐ جو فرمائیں گے وہ سب قرآن کی تفسیر و توضیح ہوگی۔ اس لحاظ سے اگر کوئی روایت قرآن کے کسی صراحی بیان سے ٹکرائے تو محدثین کا فیصلہ ہے کہ وہ فرمان نبوی نہیں ہوسکتا[۱۴]۔ حافظ ابن قیم نے فرمایا کہ ہر وہ روایت جو صراحتِ قرآن کے خلاف ہو، موضوع ہے۔[۱۵]

حافظ ابن قیمؒ نے اسی اصل کے تحت ان تمام روایات کو بھی موضوع قرار دیا جن میں دنیا کی کوئی مدت مقرر کی گئی ہے[۱۶] (کہ اس کے بعد دنیا ختم ہوجائے گی)۔ اس لیے کہ یہ قرآن کے درج ذیل بیان کے خلاف ہیں:

يَسْئَلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِندَ اللَّهِ ۔(الاحزاب:۶۳)	لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ قیامت کب آئے گی؟ آپ کہہ دیجیے کہ اس کا علم اللہ کے پاس ہے۔

اسی طرح انھوں نے ان تمام روایات کو بھی موضوع قرار دیا ہے جن میں حضرت خضر علیہ السلام کو بقید حیات بتایا گیا ہے۔ مثلاً ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے کہ اچانک ایک آدمی کے بولنے کی آواز سنائی دی۔ باہر جا کر دیکھا تو

وہ حضرت خضر تھے۔۱۷ ایسی روایات کے بارے میں علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں:

الاحادیث التی یذکر فیها الخضر وحیاته کلها کذب ولا یصح فی حیاته حدیث واحد۔۱۸	وہ تمام روایات، جن میں حیات خضر کا تذکرہ ہے، وہ سب جھوٹی ہیں۔ان کی حیات جاودانی سے متعلق ایک بھی روایت صحیح نہیں۔

ائمہ ومحدثین میں امام بخاریؒ، علامہ ابن جوزیؒ اور امام ابن تیمیہؒ کی بھی یہی رائے ہے۔ حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ حیات خضرؑ کا تصور قرآن وسنت، اجماع اور عقل کے منافی ہے۔۱۹ قرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّن قَبْلِكَ الْخُلْدَ أَفَإِن مِّتَّ فَهُمُ الْخَالِدُونَ (الانبیاء:۳۴) (ہم نے آپ سے قبل کسی کو دائمی زندگی نہیں عطا کی۔اگر آپ پر موت آئے گی تو کیا یہ ہمیشہ زندہ رہیں گے)۔اور حدیث صحیح میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا: لا یبقی علی رأس مأة سنة ممّن هو الیوم علی ظهر الارض ۲۰ (آج جو لوگ زندہ روئے زمین پر موجود ہیں ان میں کوئی بھی آئندہ سو سال کے بعد زندہ نہیں رہے گا)۔

حافظ ابن قیمؒ نے امام ابن تیمیہؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اگر حضرت خضر زندہ ہوتے تو خدمت اقدس ﷺ میں ضرور حاضر ہوتے۔ان پر لازم تھا کہ نبی آخر الزماں کے ساتھ جہاد میں شریک ہوں۔۲۱

بعض روایات میں کہا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے بعض اولیاء عراق میں اب بھی زندہ ہیں، جب تم ان کو دیکھو تو ان سے میرا سلام کہنا۔۲۲ حافظ ابن قیمؒ نے فرمایا کہ اس طرح کی روایات شواہد صحیحہ کے خلاف ہیں۔۲۳ اس کے علاوہ وہ قرآنی آیت کے بھی خلاف ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُم مِّن كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنصُرُنَّهُ۔ (آل عمران:۸۱)	اور جب اللہ نے نبیوں سے یہ عہد لیا کہ تمھیں کتاب وحکمت دیے جانے کے بعد تمھارے پاس کوئی رسول آئے جو تصدیق کرتا ہو اس چیز کی جو تمھیں دی گئی تو تم اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا۔

اس لحاظ سے اگر حضرت عیسیٰؑ کے بعض اولیاء زندۂ جاوید ہوتے تو جو چیز انبیاء کے لیے لازم تھی وہی ان کے متبعین کے لیے بھی لازم تھی کہ وہ آپؐ کی شریعت پر ایمان لاتے اور آپؐ کی اتباع کرتے۔ حافظ ابن قیم لکھتے ہیں:

الاتری ان عیسیٰ علیہ السلام اذا نزل الی الارض یصل خلف امام ھذہ الامۃ ولا یتقدم لئلا یکون ذٰلک خدشاً فی نبوۃ نبینا ﷺ۔۲۴	کیا تمھیں یہ نہیں معلوم کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب نزول فرمائیں گے تو اس امت کے امام کے پیچھے نماز ادا فرمائیں گے اور خود امامت نہیں کریں گے، تاکہ ہمارے نبی ﷺ کی نبوت میں خدشہ نہ ہو۔

حافظ ابن قیمؒ نے ان تمام روایات کو بھی موضوع قرار دیا ہے جن میں کسی پیشے یا اسے اختیار کرنے والوں کی مذمت کی گئی ہو یا ان سے کسی علاقہ، ملک وقوم یا خاندان کی تحقیر ہوتی ہو۔ وہ کہتے ہیں کہ کپڑا بُننے والے، موچی، رنگ ریز یا کوئی اور مباح کام کرنے والے کی مذمت میں تمام روایات رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ وافترا ہیں، اس لیے کہ اللہ اور اس کے رسول کسی مباح پیشہ اختیار کرنے والے کی مذمت نہیں کرتے۔۲۵

اسی طرح کسی قوم، ملک یا خاندان کی تحقیر کرنے والی روایات بھی موضوع ہیں، جیسے حبشہ، سوڈان، ترک، ہجڑے اور غلاموں کی برائی بیان کرنے والی روایات۔ کیونکہ فرمان الٰہی ہے: اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (الحجرات:۱۳) (اللہ کے نزدیک بہترین وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہو) اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ (تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں) اور اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے: لافضل لعربی علی عجمی ۲۶ (کسی عرب کو محض عرب ہونے کی وجہ سے عجمی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں)۔ لہٰذا نسل، ذات، برادری اور ملک وقوم کی بنیاد پر نہ کوئی اچھا ہے نہ کوئی برا۔ انسان کے اچھے اور برے ہونے کا پیمانہ تقویٰ اور پرہیزگاری ہے۔ ان اصولوں کی بنیاد پر درج ذیل روایات موضوع قرار دی گئی ہیں:

''برا غلام حبشی ہے۔ جب شکم سیر ہوتا ہے تو زنا کرتا ہے اور جب بھوکا ہوتا ہے تو چوری کرتا ہے۔''۲۷

''زیدی لوگ اس امت کے مجوس ہیں۔ اگر وہ بیمار ہوں تو ان کی عیادت مت کرو اور اگر وہ مرجائیں تو ان کی نماز جنازہ میں مت شریک ہو۔''[۲۸]

''لوگوں میں سب سے برے تاجر اور کاشت کار لوگ ہیں۔''[۲۹]

''حجام اور کپڑا بننے والوں سے مشورہ مت کرو اور نہ ان کو سلام کرو۔''[۳۰]

''درزی لوگ میری امت کے بخیل ہیں۔''[۳۱]

''عرب کے تمام قبائل میں سب سے برا قبیلہ بنوامیہ ہے۔''[۳۲]

اسی طرح حضرت معاویہؓ، حضرت عمرو بن العاصؓ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ اور اموی خلفاء: ولید اور مروان بن الحکم کی مذمت کرنے والی یا عباسی خلفا: منصور، سفاح اور رشید کی تائید کرنے والی، یا اولادِ عباس پر آگ کی حرمت بیان کرنے والی تمام روایات باطل ہیں۔[۳۳]

یوم عاشوراء کے سلسلے میں صحیح روایات سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اس دن روزہ رکھنا مستحب ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو وہاں کے یہود کو اس دن روزہ رکھتے دیکھ کر آپؐ نے پوچھا کہ یہ کیسا روزہ ہے؟ لوگوں نے کہا کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نجات دی اور فرعون کو غرق کیا تھا، اس لیے ہم اس دن بطور شکرانہ روزہ رکھتے ہیں۔ تب آپؐ نے فرمایا کہ ہم تمہارے مقابلے میں اس دن روزہ رکھنے کے زیادہ مستحق ہیں، چنانچہ آپؐ نے اس دن روزہ رکھا اور دوسرے لوگوں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم فرمایا۔[۳۴] لیکن رمضان کے روزے فرض ہونے کے بعد آپؐ نے اس روزہ سے متعلق فرمایا کہ جس کا جی چاہے رکھے اور جس کا جی نہ چاہے نہ رکھے۔[۳۵] صحیح احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس روزہ کو رمضان کے بعد تمام روزوں میں سب سے افضل قرار دیا گیا، لیکن ساتھ ہی یہ تاکید بھی فرمائی گئی ہے کہ یوم عاشوراء سے پہلے یا بعد میں بھی ایک دن روزہ رکھا جائے، تاکہ یہود کی مخالفت ہو۔[۳۶] لیکن یوم عاشوراء کے روزہ کی فضیلت پر بہت سی ایسی روایتیں بھی پائی جاتی ہیں، جن کا کوئی استناد نہیں، مثلاً یہ روایت کہ: ''جس نے عاشوراء کا روزہ رکھا اللہ اس کے لیے ساٹھ سال کی عبادت کا ثواب لکھے گا''۔ حافظ ابن قیمؒ نے فرمایا کہ یہ روایت موضوع ہے، کیونکہ اسے حبیب ابن الحبیب نے ابراہیم الصائغ سے نقل کیا اور ابراہیم نے میمون بن مہران سے

اور میمون نے ابن عباس سے۔اس سند میں حبیب کذّاب ہے، جو حدیثیں وضع کرتا تھا۔[۳۷]

اس کے علاوہ اس موضوع پر دیگر بہت سی روایات ہیں، جو موضوع ہیں جیسے:

''جو شخص قتلِ حسین کے دن روئے گا وہ قیامت میں اولوالعزم پیغمبروں کے ساتھ ہوگا۔''[۳۸]

''جو شخص عاشوراء کے دن آنکھوں میں اثمد (سرمہ) لگائے گا اس کی آنکھ کبھی نہیں دُکھے گی۔''[۳۹]

''جو شخص یوم عاشوراء کو اپنے اہل و عیال پر فراخی کرے گا اللہ اسے پورے سال فراخی دے گا۔''[۴۰]

''یوم عاشوراء میں اللہ نے زمین، آسمان، لوح وقلم، جبرئیل، ملائکہ اور حضرت آدمؑ کو پیدا کیا اور اسی دن اللہ رب العزت عرش پر مستوی ہوا اور قیامت بھی اسی دن آئے گی۔''[۴۱]

یہ تمام روایات باطل ہیں۔حافظ ابن قیمؒ کے علاوہ علامہ ابن جوزی، ملاّ علی القاری اور مولانا عبدالحئ لکھنوی وغیرہ نے بھی ان روایات کو بے اصل قرار دیا ہے۔اس دن مخصوص نمازیں پڑھنے اور تیل، سرمہ، خوشبو وغیرہ لگانے کی فضیلت بیان کرنے والی روایات، یا اس دن کو حزن و ملال کے دن کی حیثیت سے منانے اور ماتم کرنے پر ابھارنے والی روایات حدیث کے نام پر افتراء ہیں۔[۴۲]

نقدِ حدیث بذریعہ سند

حافظ ابن قیمؒ حدیث کے ان ائمہ میں سے ہیں جن کی نگاہ متن اور سند دونوں پر رہتی تھی۔انھوں نے حدیثوں کی ایک بڑی تعداد کو سند و رجال کی بنیاد پر ہی موضوع قرار دیا ہے۔ جیسے یہ روایت: ابوالعلاء نے نافع عن ابن عمر مرفوعاً نقل کیا ہے: **من کفن میتا فان له بکل شعرة نصیب کفنه عشر حسنات**[۴۳] (جس نے کسی میت کو کفن پہنایا اس کے لیے میت کے ہر بال کے عوض دس نیکیاں ہیں)۔اس کے بارے میں حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ ابوالعلاء حضرت نافع سے ایسی روایات بیان کرتا تھا، جو ان کی حدیثیں نہیں ہوتی تھیں۔اس لیے اس سے استدلال جائز نہیں۔[۴۴]

اسی طرح ایک روایت، جسے محمد بن عبدالرحمٰن بن البیلمانی نے عن ابن عمر عن النبی ﷺ کی سند سے بیان کیا ہے، اس میں ہے کہ جس نے عید الفطر کے اگلے دن روزہ رکھا اس نے گویا زمانہ بھر کا روزہ رکھا۔[۴۵] اس کے بارے میں حافظ ابن قیمؒ نے فرمایا: کہ یہ روایت موضوع و باطل ہے، کیونکہ ابن البیلمانی مناکیر کی روایت کرتا تھا۔ امام بخاری، ابوحاتم الرازی اور امام نسائی نے بھی اسے منکرالحدیث قرار دیا ہے۔ یحییٰ بن معین نے کہا: ''لیس بشیئ'' (وہ کچھ بھی نہیں)۔ امام دارقطنی اور حمیدی نے کہا کہ وہ ضعیف ہے۔ ابن حبان نے کہا کہ اس سے استدلال جائز نہیں۔[۴۶]

ایک اہم بات یہ ہے کہ نقدحدیث کے معاملے میں حافظ ابن قیمؒ پر متشدد ہونے کا کوئی الزام نہیں ہے، جیسا کہ علامہ ابن جوزیؒ پر ہے، لیکن نقد حدیث کے ذیل میں جب وہ بعض ابواب کے متعلق کہتے ہیں ''کہ اس باب کی تمام روایات باطل ہیں''، یا چند روایات کا استثناء کر کے کہتے ہیں ''**ماسواہ باطل**'' (ان کے سوا تمام روایتیں باطل ہیں) تو اس پر بعض ائمہ نے تنقید کی ہے اور کہا ہے کہ ان ابواب میں بعض حدیثیں حسن اور ضعیف اور بعض صحیح درجے کی بھی ہوتی ہیں، اس لیے ان سب پر باطل روایات کا اطلاق درست نہیں۔[۴۷]

دوسری طرف حافظ ابن قیمؒ بعض روایات کو ان میں پوشیدہ کسی علّت کی بنیاد پر باطل یا موضوع قرار دیتے ہیں، لیکن ان پر حکم لگاتے وقت وہ متن کی خرابی کو اس کے راویوں ہی کی جانب منسوب کرتے ہیں۔ حالاں کہ ان میں بعض راوی دیگر ائمہ کے نزدیک ثقہ، بعض درمیانی درجے کے اور بعض ضعیف ہوتے ہیں۔ اس سلسلہ میں صحیح بات یہ ہے کہ ائمہ نقدحدیث میں ہر ایک کا معیار الگ تھا، جس سے وہ روایات کی نقد و تحقیق کرتے تھے۔ مثلاً امام بخاری و مسلم کا ایک معیار تھا جس کی بنیاد پر وہ روایات پرکھتے تھے۔ اسی طرح ابوعبداللہ الحاکم نیساپوری اور متاخرین میں علامہ جلال الدین سیوطی کا بھی ایک معیار تھا۔ دونوں میں فرق ظاہر ہے۔ یعنی جو روایات امام بخاری و مسلم کے یہاں ضعیف ہوتی ہیں وہ امام حاکم اور سیوطی کے یہاں صحیح درجہ کی قرار پاتی ہیں۔ راویانِ حدیث میں کوئی راوی متفقہ طور پر نہ ثقہ تھا نہ ضعیف، کیونکہ ائمہ جرح و تعدیل میں ہر ایک کا معیار الگ تھا۔ راویوں پر جرح و تعدیل کے معاملہ میں ان میں کوئی

متشدد، کوئی متساہل اور کوئی متوسط تھا۔ ہر ایک کے اپنے اصول اور اپنا معیار تھا۔ ان ائمہ میں حافظ ابن قیمؒ کا طریقہ اعتدال پر مبنی تھا۔ ان کے یہاں نہ علامہ ابن جوزی کی طرح تشدد تھا، نہ سیوطی کی طرح تساہل۔ وہ کسی روایت پر سنداً و متناً دونوں طرح سے نقد و تحقیق کرتے تھے۔

نقد حدیث کے سلسلے میں حافظ ابن قیمؒ کا اعتماد محض سند پر مبنی نہیں تھا، بلکہ وہ متنِ حدیث کی تحقیق قرآن اور اس سے ماخوذ اصولوں کی روشنی میں بھی کرتے تھے۔ مثال کے طور پر اپنی تصنیف زادالمعاد میں ایک روایت کے متعلق لکھتے ہیں کہ ''اگر اس کی سند سورج کی طرح صاف اور نمایاں ہو تب بھی وہ غلط فہمی اور واہمہ کے سوا کچھ نہیں، کیوں کہ کسی صحیح حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ سے یہ الفاظ مروی نہیں۔ مثلاً یہ روایت: ''جسے عشق ہو اس کے باوجود وہ پاک دامنی کے ساتھ مر گیا وہ شہید ہے''۔ ابن قیمؒ لکھتے ہیں کہ یہ روایت، جو نبی ﷺ کی طرف منسوب کی جاتی ہے، صحیح نہیں۔ یہ آپ کا کلام نہیں ہوسکتا، کیونکہ اللہ کے یہاں شہادت ایک عظیم الشان مرتبہ ہے، جو مرتبۂ صدیقیت سے متصل ہے۔ اس کے لیے کچھ اعمال مقرر ہیں، جو اس کے حصول کے لیے شرط ہیں۔ شہادت کی دو اقسام ہیں: ایک خاص، جو میدان جہاد میں ہو اور دوسری عام۔ اس کی پانچ انواع صحیح احادیث میں مذکور ہیں، لیکن عشقیہ شہادت کا ان میں شمار نہیں کیا گیا ہے۔ یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے، جب کہ یہ چیز اللہ سے دور کر دینے والی ہے اور یہ تو قلب اور روح کو غیر اللہ کی ملکیت میں دے دینے کا نام ہے، اس سے درجۂ شہادت کیسے ملے گا۔ یہ بالکل محال ہے، کیونکہ عشقِ صوری قلب کو حد درجہ فاسد اور خراب کر دیتا ہے، بلکہ یہ روح کی شراب ہے، جو اسے بدمست بنا کر اللہ تعالیٰ کے ذکر سے، اس کے سامنے مناجات کرنے اور اس سے متلذّذ ہونے سے غافل کر دیتی ہے اور یہ اس بات کا موجب ہے کہ دل غیر اللہ کی عبادت میں محو ہو جائے۔ اس لیے یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ جو دل غیر اللہ کی عبادت میں محو ہو وہ اتنے بلند درجات حاصل کر لے جو خواص اولیاء کرام اور بزرگان عظام کو ہی مل سکتے ہیں۔[۴۸]

درج بالا تفصیل سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حافظ ابن قیمؒ درایت حدیث کے میدان میں کس پایہ کے عالم تھے، کہ وہ کسی حدیث کی سند دیکھے بغیر اس کے صحیح یا موضوع ہونے کا پتہ لگا لیتے تھے۔ آپ کی کتب میں عموماً اور المنار المنیف میں خصوصاً یہ چیز دیکھنے کو ملتی ہے۔

حواشی ومراجع

۱ المنار المنیف فی الصحیح والضعیف، شمس الدین ابن قیم الجوزیۃ، مطبوعہ بیروت، ۱۹۷۰ء، ص ۴۳-۴۴
۲ فتح المغیث بشرح الفیۃ الحدیث، شمس الدین محمد السخاوی، مطبوعہ انوار محمدی، ۱۳۰۳ھ، ص ۱۱۳
۳ المنار المنیف، ص ۵۰
۴ ایضاً ۵ ایضاً
۶ ایضاً، ص ۶۱ ۷ ایضاً، ص ۶۲
۸ ایضاً، ص ۶۳ ۹ ایضاً، ص ۶۳
۱۰ تذکرۃ الموضوعات، محمد طاہر بن علی الفتنی، بمبئی، ۱۳۷۳ھ، المنار المنیف، ص ۵۷، ص ۸۹
۱۱ المنار المنیف، ص ۶۱-۵۷
۱۲ ایضاً، ص ۸۱ ۱۳ مسند احمد: ۶/۹۱
۱۴ تدریب الراوی فی شرح تقریب النووی: ۱/۲۷۶، جلال الدین سیوطی، مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، پاکستان، ۱۳۷۹ھ، فتح المغیث، ص ۱۱۴
۱۵ المنار المنیف، ص ۸۰
۱۶ ایضاً ۱۷ ایضاً، ص ۶۸
۱۸ ایضاً ۱۹ ایضاً، ص ۶۷-۷۶
۲۰ صحیح بخاری، کتاب مواقیت الصلوٰۃ، باب السمر فی الفقہ والخیر بعد العشاء
۲۱ المنار المنیف، ص ۶۷-۷۶
۲۲ موضوعات کبیر، ص ۵۱۷، علی القاری (اردو ترجمہ، مولانا حبیب الرحمٰن، مطبوعہ کراچی
۲۳ المنار المنیف، ص ۷۶ ۲۴ ایضاً، ص ۷۳
۲۵ ایضاً، ص ۱۰۰ ۲۶ مسند احمد: ۵/۴۱۱
۲۷ اللآلی المصنوعۃ، ص ۲۷۱، المنار المنیف، ص ۱۰۱
۲۸ المقاصد الحسنۃ، محمد بن عبد الرحمٰن السخاوی، بغداد، ۱۹۵۶ء، ص ۲۳۴
۲۹ تذکرۃ الموضوعات، محمد طاہر بن علی الفتنی، بمبئی، ۱۳۷۳ھ، ص ۱۳۶
۳۰ ایضاً، ص ۱۳۷ ۳۱ ایضاً، ص ۱۳۶
۳۲ الاباطیل والمناکیر والصحاح والمناکیر، حسین بن ابراہیم الجوزقانی، جامعہ سلفیہ بنارس، ۱۹۸۳ء، ۱/۲۴۴ ۳۳ المنار المنیف، ص ۱۱۶-۱۱۷

۳۴ سنن ابن ماجہ، ابواب ماجاء فی الصیام، باب صیام یوم عاشوراء
۳۵ سنن ترمذی، ابواب الصوم، باب ماجاء فی الحث علی صوم یوم عاشوراء، مسلم کتاب الصیام، باب فضل صوم المحرم
۳۶ مسند احمد: ۱/۲۴۱ ۳۷ المنار المنیف، ص ۴۷
۳۸ تذکرۃ الموضوعات، ص ۱۱۹ ۳۹ ایضاً، ص ۱۱۸
۴۰ المنار المنیف، ص ۱۱۲ ۴۱ اللا لی المصوعۃ، ص ۳۶۷
۴۲ موضوعات کبیر، ص ۵۶۱، المنار المنیف، ص ۱۱۳
۴۳ المنار المنیف، ص ۴۶ ۴۴ ایضاً
۴۵ ایضاً ۴۶ ایضاً، ص ۴۶-۴۷
۴۷ عبدالفتاح ابوغدہ، مقدمہ المنار المنیف
۴۸ زادالمعاد، حافظ ابن قیم، (اردو ترجمہ: سید رئیس احمد جعفری)، نفیس اکیڈمی، کراچی، پاکستان، ۱۹۶۲، ۳/۶۰۴

☆☆☆

غیر اسلامی ریاست اور مسلمان

مولانا سید جلال الدین عمری

کسی غیر اسلامی ریاست میں مسلم اقلیت کا کیا موقف ہونا چاہئے اور اسلام نے اس سلسلے میں کیا ہدایات دی ہیں؟ یہ دورِ حاضر کا ایک اہم سوال ہے، اس کتاب میں اس کا مدلّل جواب فراہم کیا گیا ہے اور ان اعتراضات کا بھرپور رد کیا گیا ہے جو اس موضوع پر کیے جاتے ہیں۔ دین پر استقامت، عدل کا قیام، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، انسانی حقوق کا احترام، دفاع اور انتقام کا حق اور اس کی معنویت اور مطلوبہ دینی و اخلاقی کردار جیسے عنوانات پر ایک سنجیدہ اور عالمانہ بحث کا نمونہ۔ یہ کتاب اسلام اور مسلمان سے متعلق بعض غلط فہمیوں کا ازالہ بھی کرتی ہے۔ صفحات: ۴۸ قیمت: =/۲۵ روپے

ملنے کے پتے: ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی، پوسٹ بکس نمبر: ۹۳، علی گڑھ-۲
مرکزی مکتبہ اسلامی پبلیشرز، دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی-۲۵

بحث ونظر

دیگر کروں پر نماز کی ادائیگی کا مسئلہ

پروفیسر محمود سلطان کھوکھر

قرآن کریم میں بہت سے مقامات پر یہ صراحت آئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کو انسان کے لیے مسخر کر دیا ہے۔ تسخیر سے مراد ان جملہ اشیاء کو انسانوں کے بس میں کر دینا ہے، تاکہ وہ ان سے فائدہ حاصل کریں۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ قرآن کریم میں لفظ 'تسخیر' صرف مسلمانوں یا کسی خاص گروہ سے مخصوص نہیں، بلکہ ان آیات مبارکہ میں کل نوعِ انسان مخاطب ہے، یعنی ہر انسان کے لئے تسخیر کے دروازے کھلے ہیں۔ چونکہ تسخیر کائنات کے حوالہ سے بیش تر آیات مبارکہ کا تعلق آسمان اور زمین میں موجود جملہ اشیاء کی تسخیر سے ہے اور ان آیات میں عموم پایا جاتا ہے، اس لیے بہت سے اہل علم کا خیال ہے کہ اس دنیا کے علاوہ دیگر کرہ ہائے سماوی پر بھی انسانی زندگی بعید نہیں ہے اور بہت ممکن ہے کہ مستقبل قریب میں انسان اپنی تسخیری صلاحیتوں سے فائدہ اٹھا کر ان کروں پر بھی زندگی کے وسائل مہیا کرنے میں کامیاب ہو جائے۔

تاریخ عالم پر نگاہ رکھنے والے اس بات سے پوری طرح آگاہ ہیں کہ ہبوط آدم سے لے کر اب تک کرۂ ارض کے علاوہ دوسرے سماوی کروں کے متعلق جتنی تفصیلات اسلام نے مہیا کی ہیں کسی دوسرے مذہب نے نہیں کیں۔ قرآن کریم کی متعدد سورتیں سماوی کروں پر تفصیل سے روشنی ڈالتی ہیں۔ نیز سیرت نبوی کے حوالہ سے واقعۂ معراج نے اجرام فلکی کے مطالعہ میں اہل علم کے لئے ایک نئی راہ کھولی اور ایک سربستہ راز کی طرف پہلی مرتبہ رہ نمائی کی۔

قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ (الحج:۶۵) — کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے بس میں کر دیا تمہارے جو کچھ زمین میں ہے۔

اسی طرح ایک اور آیت مبارکہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ (الجاثیۃ:۱۳) اور بس میں کر دیا تمہارے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں سب کو اپنی طرف سے۔

قرآن کریم میں اس مضمون کی متعدد آیات آئی ہیں۔ان کے سلسلے میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر زمین وآسمان کے درمیان موجود ہر چیز کو انسان کے لئے مسخر کر دیا گیا ہے تو لامحالہ وہ جلد یا بدیر زمین و آسمان کے درمیان پائے جانے والے تمام کرہ ہائے سماوی کو مسخر کرلے گا۔ کیا اس تسخیر کے نتیجے میں پیدا ہونے والے مسائل کے حوالہ سے اسلامی شریعت ہماری کوئی رہ نمائی کرتی ہے؟ مثلاً ان کرہ ہائے سماوی میں اسلامی عبادات کیونکر ممکن ہوں گی؟ ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے آج ہمارے لیے جدید سائنسی، معاشی، صنعتی اور معاشرتی مسائل پر نصوص قطعیہ کی روشنی میں غور وفکر کرنا ازبس ضروری ہوجاتا ہے۔ہمیں یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ جدید فقہی مسائل کے تعلق سے فقہاءِ کرام کا مہیا کردہ ذخیرہ ہماری کتنی رہ نمائی کرتا ہے۔

اس طرح کے سوالات کے ذیل میں بعض لوگوں کی رائے یہ ہوسکتی ہے کہ خلا اور دیگر کرہ ہائے سماوی پر عبادات کی بجا آوری کے جو مسائل پیش آسکتے ہیں ان پر ابھی گفتگو کرنا قبل از وقت ہوگا۔لیکن اگر سائنسی ترقی کو سامنے رکھا جائے تو اس کے امکانات زیادہ دور نہیں معلوم ہوتے۔ امام ابوحنیفہ (۸۰۔۱۵۰ھ) نے اپنی فقہی مجلس کے ساتھ مل کر جن لاکھوں مسائل کا استخراج کیا ان میں ایک بڑی تعداد ایسی بھی ہے جن سے کسی مسلمان کو آج تک واسطہ نہیں پڑا۔ چنانچہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ پیش آمدہ مسائل پر غور وفکر کی روایت سب سے پہلے امام ابوحنیفہؒ نے ڈالی اور آج ہمیں اس روایت کو آگے بڑھانا ہے۔

اس طرح کے مسائل پر غور وفکر کرنے کا ایک باعث یہ بھی ہے کہ دین اسلام تمام جہانوں کے لیے آخری دین ہے، نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام عالموں کے لیے آخری نبی بنا کر بھیجے گئے ہیں اور آپؐ کی لائی ہوئی شریعت مطہرہ بھی تمام جہانوں کا احاطہ کرتی ہے۔ ان تمام باتوں کا تقاضا ہے کہ اس نوع کے مسائل کے سلسلے میں بھی ہم عالم گیریت اور ہمہ گیریت کا مظاہرہ کریں۔

اس مقالہ میں بحث کو صرف ایک مسئلہ تک محدود رکھتے ہوئے اہل علم کو غور و فکر کی دعوت دی جارہی ہے۔ وہ مسئلہ یہ ہے کہ کرہ ارضی کے علاوہ دیگر کرہ ہائے سماوی پر نماز کس طرح ادا کی جائے گی؟

کسی دوسرے کرے پر نماز کی ادائیگی کے حوالہ سے صرف دو فرائض متاثر ہوتے ہیں اور وہ یہ ہیں۔

(۱) اوقات نماز (۲) نماز میں قبلہ رخ ہونا

ذیل میں انہی دو پہلوؤں سے گفتگو کی جائے گی۔

نماز کے وقت کی تعیین کا مسئلہ

قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا (النساء:۱۰۳) بے شک نماز مومنین پر متعین وقت میں فرض کی گئی ہے۔

قرآن کریم کی یہ آیت مبارکہ نماز کے اوقات کی تعیین کے حوالہ سے بطور نص ہماری رہ نمائی کرتی ہے۔ چنانچہ فقہائے امت کا اس پر اجماع ہے کہ نماز کی صحت کے لیے اس کا وقت ہونا ضروری ہے۔ ڈاکٹر وھبۃ الزحیلی لکھتے ہیں:

لا تصح الصلوٰۃ بدون معرفۃ الوقت یقینا اوظناً بالاجتھاد، فمن صلی بدونھا لم تصح صلاتہ[۱] اگر نماز کے وقت کا یقینی علم یا اجتہاد کے ذریعے ظن غالب نہیں ہے تو نماز درست نہیں۔ چنانچہ جو شخص کوئی نماز اس کا وقت ہوئے بغیر پڑھتا ہے اس کی نماز صحیح نہیں ہے۔

سوال یہ ہے کہ خلا میں یا دیگر کرہ ہائے سماوی پر نماز کی ادائیگی کے لئے اوقات کی تعیین کس طرح ہوگی؟ اس کرہ ارضی میں تو ہم نماز کے اوقات کے لئے شمسی تقویم اور زکوٰۃ و حج وغیرہ کے لئے قمری تقویم سے مدد لیتے ہیں، لیکن اگر مسلمان چاند یا کسی دوسرے کرہ پر آباد ہونے کے وسائل مہیا کرلیں تو وہ نماز کے اوقات کے لئے کیا طریقہ کار وضع کریں گے؟

اس مسئلہ پر اگرچہ فقہائے متقدمین ومتاخرین نے براہ راست بحث نہیں کی ہے، لیکن اس سے ملتے جلتے ایک مسئلہ کا ذکر ان کے ہاں ملتا ہے۔ وہ یہ کہ جن ممالک میں چھ(۶) ماہ دن اور چھ(۶) ماہ رات رہتی ہے، مثلاً ناروے وغیرہ، وہاں نماز کے اوقات کی تعیین کے لئے کیا طریق کار اختیار کیا جائے گا؟ اس موضوع پر فقہاء نے کافی بحث کی ہے۔ ذیل میں اس کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے۔

فقہائے احناف میں سے شمس الائمہ عبدالعزیز بن احمد الحلوانی (م ۴۴۸ھ)، محمد بن ابی القاسم البقالی (۴۹۰-۵۶۲ھ) اور عبداللہ بن احمد بن محمود نسفی (م ۷۱۰ھ) کے مطابق ایسے ممالک میں، جہاں بعض نمازوں کے اوقات کا پتہ نہیں چلتا، ان اوقات کی نمازیں واجب نہیں ہیں، جب کہ ابن الشحنۃ (۸۱۵-۹۲۱ھ)، کمال الدین ابن ہمام (۷۹۰-۸۶۱ھ) اور امام احمد بن محمد طحطاوی (م ۱۲۳۱ھ) وغیرہ نے اس کے برعکس ان علاقوں میں بھی مکمل پانچ نمازوں کے وجوب کا فتویٰ دیا ہے۔[۲] اسی طرح امام محمد بن ادریس الشافعی (۱۵۰-۲۰۴ھ) اور امام یحییٰ بن شرف نووی (۶۳۱-۶۷۶ھ) بھی وجوب صلوٰۃ ہی کے قائل ہیں۔

لیکن برصغیر پاک وہند کے فقہاء میں سے مفتی محمد شفیع (۱۳۱۴-۱۳۹۶ھ) اور ان کے فرزند مفتی محمد رفیع عثمانی نے حلوانی، بقالی اور نسفی کی رائے کو ترجیح دیتے ہوئے عدم وجوب کا فتویٰ دیا ہے۔ ان کے مطابق شریعت مطہرہ نے نماز کے لئے وقت کو سبب قرار دیا ہے، لہٰذا جہاں پانچوں اوقات متحقق ہوں گے وہاں پانچوں نمازیں فرض ہوں گی اور جہاں ان اوقات میں کوئی وقت مفقود ہوگا وہاں اس وقت کی نماز بھی فرض نہ ہوگی۔[۳]

اس فتویٰ پر مفتی عبدالسلام چاٹگامی نے سخت تنقید کی ہے۔ انہوں نے ثابت کیا ہے کہ ان ممالک میں بھی پانچ اوقات کی نمازیں ادا کی جائیں گی۔ ان کے دلائل کا خلاصہ درج ذیل ہے:

(۱) ہر دن اور رات (چوبیس گھنٹوں) میں پانچ اوقات کی نمازیں نصوصِ قطعیہ اور احادیث متواترہ سے ثابت ہیں۔

(۲) اس مسئلہ میں بھی فقہاء کا اختلاف ہے کہ نمازوں کے لئے اوقات اسباب ہیں یا

علامات۔ علامہ ابن نجیم (م ۹۷۰ھ) نے لکھا ہے کہ فقہائے کرام اوقات کو اسباب قرار دیتے ہیں اور اصولیین علامات کو اسباب قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ جو نمازیں نصوص قطعیہ اور احادیث متواترہ کی رو سے فرض ہیں، صرف علامات اور معرفت کے نہ ہونے سے ساقط نہیں ہوسکتیں۔

(۳) حدیث معراج میں پانچ نمازیں فرض ہوئیں اور تمام آفاق کے لیے ان کو فرض کیا گیا اور یہ حکم سب کے لیے برقرار رہا، جس میں کسی ملک واقلیم کی کوئی تخصیص ہیں۔ نیز حضور اکرمؐ کی رسالت روئے زمین پر بسنے والے تمام لوگوں کے لیے ہے، خواہ وہ کسی بھی خطہ ارضی اور کسی بھی اقلیم سے تعلق رکھتے ہوں، پانچ نمازوں کا حکم سب کے لیے ہے۔

(۴) اوقاتِ معلومہ کے نہ ہونے کی صورت میں نماز ساقط ہے، اس پر کوئی واضح نص موجود نہیں ہے۔

(۵) وجوب صلوٰۃ کا فتویٰ قیاس وعقل اور نصوص مطلقہ کے مطابق ہے۔[۴]

اس تفصیل سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ دیگر کرہ ہائے سماوی پر بھی پانچ نمازیں ہی ادا کی جائیں گی اور اوقات کے بجائے علامات کو علت قرار دیا جائے گا۔

ان کروں پر نماز کی ادائیگی کا طریقۂ کار کیا ہوگا؟ اس حوالہ سے امام شافعی، امام نووی اور ابن ہمام سمیت وجوب صلوٰۃ کے قائل جملہ فقہاء نے خروج دجال کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔ وہ حدیث یہ ہے:

> ''صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! دجال کتنی مدت تک زمین میں ٹھہرے گا۔ آپؐ نے فرمایا: چالیس دن تک، جن میں ایک دن ایک سال کے برابر، ایک دن ایک مہینے کے برابر، ایک دن ایک ہفتہ کے برابر اور باقی ایام تمہارے ایام کی طرح ہوں گے۔ عرض کیا گیا کہ جو دن ایک سال کے برابر ہوگا، کیا ہمارے لیے اس دن ایک یوم کی (پانچ) نمازیں کافی ہوں گی۔ آپؐ نے فرمایا: نہیں! اس دن تم اندازہ کر کے نمازیں ادا کرو''۔[۵]

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ایسے حالات میں اندازہ کر کے نمازیں ادا کی جائیں گی۔ ظاہر ہے کہ اندازہ علامات کو دیکھ کر قائم کیا جاتا ہے، کیونکہ اوقات کی تعیین سے اندازہ کا وجود زائل ہو جاتا ہے۔

علامہ انور شاہ کشمیری (۱۲۹۲-۱۳۵۳ھ) نے اس حوالہ سے یہ تحقیق پیش کی ہے۔ فرماتے ہیں:

> ''میرے نزدیک ایسے ممالک میں نمازیں پانچ ہی واجب ہیں۔ باقی رہا یہ مسئلہ کہ یہ نمازیں اور روزے کس طرح ادا کیے جائیں گے تو اس کی طرف شوافع کے علاوہ دوسرے لوگوں نے خاص توجہ نہیں کی۔ شوافع نے کہا ہے کہ قریب ترین ملک میں جن کو عشاء کا وقت ملتا ہے ان کے حساب سے نمازیں ادا کریں گے اور روزہ رکھیں گے۔''[۶]

مفتی ظفر احمد عثمانی کے نزدیک بھی ایسے حالات میں اندازہ کر کے ہر چوبیس گھنٹہ میں پانچ نمازیں فصل کے ساتھ ادا کرنا واجب ہے۔[۷] مفتی عزیز الرحمٰن (مفتی دارالعلوم دیوبند) کا بھی اسی پر فتویٰ ہے۔[۸] مفتی رشید احمد لدھیانوی نے تو ایسے حالات میں نماز کے اوقات کی تعیین بھی کر دی ہے، ''وقت فجر ایک گھنٹہ، پھر چھ گھنٹے گزرنے پر ظہر، پھر تقریباً ساڑھے چار گھنٹے کے بعد عصر (مثلین) انتہائے وقت فجر سے بارہ گھنٹے گزرنے پر مغرب، پھر ایک گھنٹہ کے بعد عشاء، پھر دس گھنٹے کے بعد فجر۔''[۹]

خلاصۂ کلام یہ کہ ایسے علاقوں میں جہاں نماز کے اوقات کی تعیین کا مسئلہ درپیش ہوگا وہاں پانچ وقت کی نمازیں قریبی ملک کے اوقات سے مطابقت دے کر ادا کی جائیں گی۔ اسی پر قیاس کرتے ہوئے کرۂ ارضی کے علاوہ کسی بھی کرے یا خلا میں نماز کے اوقات کے لیے فقہائے وقت اور ماہرین فلکیات کے باہم مشورے اور فیصلے سے حالات کے پس منظر میں کسی اسلامی ملک کے اوقات کو معیار بنایا جا سکتا ہے۔

سمتِ قبلہ کی تعیین

فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نماز کے صحیح ہونے کے لیے قبلہ رُو ہونا شرط ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ مِنْ حَیْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَیْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ (البقرۃ:۵۰)

جہاں کہیں سے نکلو اپنا رخ مسجد حرام کی طرف کر لیا کرو۔ اور تم جہاں بھی ہو اپنے چہرے اسی کی طرف کرو۔

اس میں صرف دو صورتوں کا استثناء ہے:

(۱) خوف کی حالت۔

(۲) مسافر جب سواری پر نماز ادا کر رہا ہو۔

خلا میں موجود اشخاص کو مسافر پر قیاس کیا جا سکتا ہے، کیونکہ ان میں وہ تمام اسباب بدرجۂ اتم موجود ہیں جو مسافر میں پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ ایسے اشخاص کے لیے تعیین قبلہ شرط نہ ہوگی۔

فقہاء میں امام شافعیؒ کے علاوہ جمہور اس پر متفق ہیں کہ جو شخص خانۂ کعبہ کو دیکھ نہیں رہا ہے اس کے لیے فرض ہے کہ وہ خانۂ کعبہ کی سمت رخ کر کے نماز ادا کرے۔[۱۰] وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں:

ما بین المشرق و المغرب قبلة[۱۱] مشرق و مغرب کے درمیان قبلہ ہے۔

امام شافعی کے نزدیک خانۂ کعبہ کی عمارت کے عین سامنے رخ کر کے نماز ادا کرنا فرض ہے، کیونکہ آیت قرآنی کا یہی تقاضا ہے۔ امام شافعیؒ کے اس استدلال پر ڈاکٹر وھبۃ الزحیلی نے تنقید کی ہے۔ اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے وہ فرماتے ہیں:

''میرے نزدیک اس رائے کو ترجیح ہے کہ خانۂ کعبہ کی سمت رخ کریں۔''[۱۲]

''مالکیہ کے نزدیک نیچے کی سات زمینوں سے لے کر عرش معلیٰ تک ساری جگہ کعبہ ہے۔ جو کوئی بلند پہاڑوں یا گہرے کنوؤں میں نماز ادا کرے اس کی نماز اسی طرح درست ہے جیسے خانہ کعبہ کی چھت پر اور اس کی عمارت کے اندر درست ہے۔''[۱۳]

قبلہ کے رخ کی تعیین کے مسئلہ میں فقہاء نے کچھ اصول متعین کیے ہیں، جو درج ذیل ہیں:

(۱) حنفی فقہاء کے نزدیک جن شہروں اور قصبوں میں ایسی مسجدیں موجود ہیں جن کو صحابہ یا تابعین نے تعمیر کروایا ہو تو جس رخ پر ان کی محرابیں ہوں وہی قبلہ کا رخ ہیں۔

(۲) جہاں ایسی مسجدیں موجود نہ ہوں، مگر مسلمان موجود ہوں تو کسی نمازی شخص سے قبلہ کا رخ دریافت کر لینا کافی ہے۔ وہی قبلہ کا رخ ہوگا۔

(۳) صحرا اور غیر آباد جگہ پر سورج، چاند اور ستاروں کے ذریعے قبلہ کا رخ متعین کیا جاسکتا ہے۔

(۴) جہاں یہ تمام وسائل مہیا نہ ہوں اور کچھ سمجھ میں نہ آئے تو جدھر گمان غالب ہو وہی قبلہ ہوگا۔ اس کو اصطلاح میں 'تحرّی' (اندازہ کر کے رائے قائم کرنا) کہتے ہیں۔[۱۴]

اس آخری اصول سے فائدہ اٹھا کر دیگر کرہ ہائے سماوی پر سمتِ قبلہ کی تعیین کا مسئلہ حل کیا جا سکتا ہے۔

اگر ہم اس بات کا جائزہ لیں کہ نماز کے لئے خانہ کعبہ کی سمت رخ کرنے کی علّتِ غائی کیا ہے؟ تو ہمیں معلوم ہوگا کہ اس کا مقصد وحدتِ ملی اور ایک مرکز کی طرف رخ کرنے اور اسی کی طرف متوجہ رہنے کے علاوہ اور کچھ نہیں، تاکہ مسلمان خواہ کسی فرقے، کسی گروہ اور کسی مسلک سے تعلق رکھتے ہوں اور ان میں خواہ کسی طرح کا اختلاف پایا جاتا ہو، مگر ان کا مرکزِ عبادت ایک ہو اور وہ اسی کی طرف رخ کر کے نماز ادا کریں۔ چنانچہ مسلمان جب قبلہ رو ہو کر نماز ادا کرتے ہیں تو اس کا مقصد اس چار دیواری کی عبادت یا پوجا نہیں ہوتا، بلکہ اس کے پیچھے یہ فکر کارفرما ہوتی ہے کہ یہ وہ پہلا مرکز اطاعت ہے جو انسانی فکر کی وحدت کا نشان ہے۔ ورنہ اللہ تو ہر جگہ موجود ہے، وہ کسی سمت یا جگہ میں مقید نہیں ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ (البقرۃ:۱۱۵) سو جس طرف تم منہ کرو اللہ وہاں موجود ہے۔

دیگر کرہ ہائے سماوی پر، جہاں سمتِ قبلہ کی تعیین کا مسئلہ پیش آ سکتا ہے، ہم اس آیت مبارکہ سے بھی استشہاد کر سکتے ہیں اور مخصوص حالت میں اس نص قرآنی سے فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔

ایک توجیہ یہ بھی کی جاسکتی ہے کہ دیگر کرہ ہائے سماوی پر رہتے ہوئے کرۂ ارضی کو قبلہ

کی سمت سمجھا جائے اور زمین کی طرف رخ کر کے نماز ادا کی جائے۔ لیکن چونکہ زمین سمیت دیگر دریافت شدہ تمام کرے سورج کے گرد اپنے مدار میں گھوم رہے ہیں، اس لیے دورانِ گردش جس کرے کا رخ زمین کی طرف ہو اسی طرف رخ کر کے نماز ادا کی جائے گی۔ لیکن دوران گردش جب زمین نظروں سے اوجھل ہو تو 'اصول تحرّی' سے استفادہ کرتے ہوئے اندازہ سے نماز ادا کرنے کی گنجائش بھی موجود ہے۔

حواشی و مراجع

۱۔ ڈاکٹر وھبۃ الزحیلی، **الفقہ الاسلامی و ادلّتہ**، دار الفکر، دمشق، ج۱، ص ۵۶۹

۲۔ مفتی محمد عبدالسلام چاٹگامی، **جواھر الفتاویٰ**، اسلامی کتب خانہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی، ج۱، ص۱۶۲

۳۔ مفتی صاحب کا یہ فتویٰ ماہنامہ **البلاغ** شوال ۱۳۹۳ھ (نومبر ۱۹۷۳ء) میں شائع ہوا، بعد ازاں روزنامہ جنگ ۱۱/اپریل ۱۹۸۳ء میں بھی نقل ہوا۔

۴۔ مفتی محمد عبدالسلام، **جواھر الفتاویٰ**، ج۱، ص۱۶۶-۱۷۰، ابن نجیم، **البحر الرائق**، دار المعرفۃ، بیروت، ج۱، ص۲۲۴

۵۔ ابن الہمام، **فتح القدیر**، دار المعرفۃ، بیروت، ج۱، ص۱۵۶

۶۔ علامہ انور شاہ کشمیری، **العرف الشذی**، دار التراث العربی، بیروت، ص۴۶۴

۷۔ مولانا ظفر احمد عثمانی، **امداد الاحکام**، مکتبہ دار العلوم کراچی، ج۱، ص۴۰۵

۸۔ مفتی عزیز الرحمٰن، **فتاویٰ دار العلوم دیو بند**، (طبع قدیم) دار العلوم دیوبند، یوپی، انڈیا، ج۱، ص۳۶۷

۹۔ مفتی رشید احمد لدھیانوی، **احسن الفتاویٰ**، ایچ۔ایم سعید کمپنی پاکستان، چوک کراچی ۱۴۰۰ھ، ج۲، ص۱۲۳-۱۲۴

۱۰۔ ابن عابدین شامی، **الدر المختار**، دار الفکر، بیروت، ج۱، ص۳۹۷

۱۱۔ ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلاۃ، باب القبلۃ، حدیث نمبر ۱۰۱۱

۱۲۔ **الفقہ الاسلامی و ادلتہ**، ج۱، ص۵۹۸ ۱۳۔ ایضاً

۱۴۔ منہاج الدین، مینائی، **اسلامی فقہ**، مکہ پبلشنگ کمپنی، اردو بازار، لاہور، ص۱۰۱-۱۰۲

ایک اہم اعلان

تحقیقاتِ اسلامی کے صفحات میں اضافہ اور مقالات کی انگریزی تلخیص

الحمد للہ تحقیقاتِ اسلامی کے بتیس (۳۲) سال پورے ہوچکے ہیں۔ اس عرصہ میں علمی حلقوں میں اسے اعتبار حاصل ہوا ہے اور اس کے مشتملات کو قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے۔

طے کیا گیا ہے کہ آئندہ اس کے مقالات کی انگریزی زبان میں تلخیص بھی شائع کی جائے۔ اس کے لیے اس میں آٹھ صفحات کا اضافہ کیا جارہا ہے۔

کوشش کی جاتی ہے کہ تحقیقاتِ اسلامی کی کمپوزنگ، طباعت اور کاغذ معیاری ہو، اس کے باوجود گزشتہ پانچ سال سے اس کی قیمت میں کوئی اضافہ نہیں کیا گیا تھا۔ لیکن مسلسل بڑھتی ہوئی ہوش ربا گرانی کی وجہ سے اب ہمیں بہ درجۂ مجبوری اس میں اضافہ کرنا پڑ رہا ہے۔ ۲۰۱۴ء سے تحقیقاتِ اسلامی کا زرتعاون حسب ذیل ہوگا:

اندرونِ ملک		برائے پاکستان	
فی شمارہ	۴۰ روپے	سالانہ (انفرادی)	۲۰ ڈالر امریکی
سالانہ	۱۵۰ روپے	سالانہ (ادارے)	۲۵ ڈالر امریکی
پانچ سال کے لیے	۶۰۰ روپے	**برائے دیگر ممالک**	
سالانہ (لائبریریاں وادارے)	۲۰۰ روپے	سالانہ (انفرادی)	۲۵ ڈالر امریکی
		سالانہ (ادارے)	۳۰ ڈالر امریکی

امید ہے تحقیقاتِ اسلامی کے قارئین اسے گوارا کریں گے اور حسب سابق ان کا تعاون جاری رہے گا۔

(منیجر)

غیبت- اقسام اور حدود

ڈاکٹر زاہدہ تبسم

کسی کی عدم موجودگی میں اس کا ناپسندیدہ تذکرہ چغلی یا غیبت کہلاتا ہے۔چغلی اردو زبان کا لفظ ہے، جس کو عربی میں 'نمیمة'، 'وشایة'، 'غیبة' اور 'قتیة' کہا جاتا ہے[۱] احادیث مبارکہ میں اس کے لیے 'غیبة' اور 'نمیمة'، جب کہ چغل خور کے لیے لفظ 'قتّات' اور 'نمّام' استعمال ہوئے ہیں۔اردو لغات میں چغلی کی دو طرح سے تعریف کی گئی ہے:

(۱) پیٹھ پیچھے کسی کی بدخوئی کرنا۔

(۲) چغلی اس کنکر کو کہا جاتا ہے جسے چلم میں تمباکو کے نیچے رکھتے ہیں[۲]

بظاہر لفظ 'نمیمة'، 'غیبة' اور 'قتیة' ہم معنیٰ لگتے ہیں، لیکن سلف صالحین نے ان کے درمیان ایک لطیف سا فرق بیان کیا ہے۔علامہ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

> ''قتّات اور نمّام میں فرق ہے۔نمّام اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی مجلس میں موجود ہو اور وہاں جو کچھ دیکھے اور سنے اسے دوسری جگہ بیان کرے۔اور قتّات اس شخص کو کہتے ہیں جسے کسی چیز کا بلا واسطہ علم نہ ہو، وہ محض سنی سنائی بات کو دوسروں سے نقل کرتا پھرے۔امام غزالیؒ کہتے ہیں: جس شخص تک کوئی بات پہنچائی جائے اسے چاہیے کہ وہ چغلی کرنے والے کی تصدیق نہ کرے اور جس کے بارے میں چغلی کی گئی ہے اس سے بدگمان نہ ہو اور جو بات پہنچائی گئی ہے خواہ مخواہ اس کی تحقیق میں نہ لگے۔وہ چغلی کرنے والے کو منع کرے، اس فعل کو برا سمجھے اور چغلی کرنے والا اگر اپنے فعل سے باز نہ آئے تو اس سے نفرت کرے اور جس کام سے اس نے چغل خور کو منع کیا ہے اسے خود کرنے میں نہ لگ جائے کہ وہ دوسروں سے چغلی کرنے لگے۔چغلی اور

غیبت میں کچھ فرق ہے۔ چغلی یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے کا حال فساد کی نیت سے اس کی مرضی کے خلاف بیان کرے، خواہ اس شخص کو اس کا علم ہو یا نہ ہو۔ اور غیبت یہ ہے کہ دوسرے شخص کے بارے میں اس کی غیر موجودگی میں ایسی بات کہی جائے جو اسے پسند نہ ہو، گویا چغلی میں فساد کی نیت لازمی شرط ہوتی ہے جب کہ غیبت میں یہ شرط نہیں ہے۔ اور غیبت میں شرط یہ ہے کہ وہ بات دوسرے کی غیر موجودگی میں کہی جائے، جب کہ چغلی میں یہ شرط نہیں ہے۔ بقیہ باتیں دونوں میں پائی جاتی ہیں''۔[۳]

چغلی کی ان دونوں اقسام میں خفیف سا فرق ہے، لیکن بنیادی بات وہی ہے جو اللہ کے رسول ﷺ نے درج ذیل حدیث میں بیان فرمائی ہے:

''حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک مجلس میں اپنے اصحاب کو مخاطب کرکے فرمایا: جانتے ہو، غیبت کیا ہے؟ انھوں نے کہا: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: 'ذکرک اخاک بما یکرہ' (تو اپنے بھائی کا ذکر اس طرح کرے کہ اسے ناگوار ہو)، ایک صحابی نے پوچھا: اگر میں دیکھوں کہ جو بات میں کہہ رہا ہوں وہ اس میں موجود ہے تو۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: 'ان کان فیہ ما تقول فقد اغتبتہ، وان لم یکن فیہ ما تقول فقد بھتّہ'. (اگر تو نے اس میں موجود بات (برائی) کو بیان کیا تو یہی غیبت ہے۔ اگر وہ بات اس میں موجود نہ ہو تب تو، تو نے اس پر بہتان لگایا)۔''[۴]

غیبت کرنے کی وجوہ حُکم کے اعتبار سے دو قسم کی ہیں: (الف) مذموم وجوہ۔ (ب) مباح وجوہ۔ چنانچہ علامہ قرطبیؒ نے دونوں وجوہ پر مشتمل احکام کا تذکرہ کیا ہے۔[۵]

غیبت کی مذموم وجوہ

یہ دو طرح کی ہیں:

(۱) حسد کرنا: یہ غیبت کی سب سے بڑی وجہ ہے۔ جب انسان کسی سے حسد کرتا ہے تو اس میں یہ جذبہ جنم لیتا ہے کہ وہ محسود کی برائیوں اور عیوب کی تشہیر کرے، تاکہ لوگ اسے ناپسند کرنے لگیں۔

(۲) دوسروں کو حقیر سمجھنا: جب انسان خود کو بڑا سمجھنے لگتا ہے تو اس احساس کے ساتھ

دوسروں کی برائیوں کی ٹوہ میں لگا رہتا ہے۔ چوں کہ غیبت کی بڑی وجہ حسد ہے، اس لیے اس میں چار چیزیں شامل ہیں:

(۱) دوسروں کی شہرت اور مقام کو گرانے کی کوشش کرے۔

(۲) خود اس مقام کو حاصل کرنے کی خواہش رکھے۔

(۳) دوسرے کی مخالفت یا دشمنی کی بنا پر ایسا کرے۔

(۴) عادۃً کسی شخص کی دوسروں کے سامنے برائی کرے۔

غیبت کی مذموم وجوہ کے ذریعہ انسان کی گھٹیا ذہنیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ وہ چھوٹی چھوٹی باتوں کی بنا پر دوسروں کی عزت پر حملہ کرتا ہے، اس سے دنیا و آخرت میں سوائے خسارہ کے کچھ نہیں حاصل ہوتا۔

غیبت کی حرمت قرآن و حدیث میں

غیبت حرام ہے، اس پر جمہور علماء کا اتفاق ہے۔[۶] اللہ تعالیٰ نے غیبت کرنے والے کی شدید مذمت کی ہے۔ فرمایا:

هَمَّازٍ مَشَّآءٍ بِنَمِيمٍ (القلم:۱۱) طعنے دینے والا، چغلیاں کھاتے پھرنے والا۔

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيد (ق:۱۸) کوئی لفظ اس کی زبان سے نہیں نکلتا جسے محفوظ کرنے کے لیے ایک حاضر باش نگراں موجود نہ ہو۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے غیبت کی درج ذیل الفاظ میں شدید مذمت فرمائی ہے:

وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضاً أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتاً فَكَرِهْتُمُوهُ وَاتَّقُوا اللَّهَ (الحجرات:۱۲) اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔ کیا تمھارے اندر کوئی ایسا ہے جو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے گا۔ دیکھو تم خود اس سے گھن کھاتے ہو۔ اللہ سے ڈرو۔

غیبت کی حرمت کا اندازہ نبی اکرم ﷺ کے درج ذیل ارشادات سے بھی بخوبی لگایا جاسکتا ہے:

۱- حضرت اسماء بنت یزیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

الا أخبرکم بشرارکم؟ المشّاؤون بالنمیمة، المفسدون بین الأحبة، الباغون للبرآء العنت۔

کیا میں نہ بتاؤں کہ تم میں سے بدترین لوگ کون ہیں؟ چغلی کھانے والے، باہم محبت کرنے والوں کے درمیان فساد پیدا کرنے والے، بھولے بھالے لوگوں کو پریشانی میں ڈالنے والے۔

۲- اسی طرح ایک حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

من ردّ عن عرض اخیہ، ردّ اللہ عن وجھہ النار یوم القیٰمة ۸

جس شخص نے اپنے بھائی کی آبرو کی حفاظت کی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے جہنم کی آگ سے محفوظ رکھے گا۔

۳- ایک حدیث میں ہے کہ آپؐ کا ارشاد ہے:

لایدخل الجنّة قتّات۔۹

جنت میں چغل خور نہیں جائے گا۔

۴- غیبت کرنا عذابِ قبر کا باعث ہے۔ ایک مرتبہ آپؐ دو قبروں کے پاس سے گزرے۔ آپؐ نے فرمایا:

''ان دونوں کو عذاب دیا جارہا ہے۔ حالاں کہ جن معاملوں میں یہ لوگ عذاب میں مبتلا ہیں وہ بہت بڑے نہیں ہیں۔ ان میں سے ایک چغلی کرتا پھرتا تھا اور دوسرا پیشاب کرتے وقت آڑ نہیں کرتا تھا۔''۱۰

۵- کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کے سامنے کسی کی غیبت کرتا تو آپ اسے پسند نہ فرماتے تھے اور اس پر تنبیہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپؐ کی مجلس میں کسی شخص نے دریافت کیا: مالک بن دخشن کہاں ہیں؟ دوسرے شخص نے کہا: وہ منافق ہے، اسے اللہ اور اس کے رسول سے محبت نہیں ہے۔ اس پر آپؐ نے فرمایا: ایسا نہ کہو۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اس نے اللہ کی خوش نودی کے لیے **لا الہ الا اللہ** کہا ہے۔ اللہ نے جہنم کی آگ حرام کردی ہے ہر اس شخص پر جس نے اس کی خوش نودی کے لیے **لا الہ الا اللہ** کہا ہو''۔۱۱

۶- آپؐ نے صحابہ کو چغلی اور غیبت سے روکنے کے لیے حکیمانہ انداز اختیار فرمایا۔ آپؐ نے فرمایا:

''میرے اصحاب میں سے کوئی کسی دوسرے کے بارے میں نازیبا بات

مجھ تک نہ پہنچائے، اس لیے کہ میں چاہتا ہوں کہ جب تمھارے پاس آؤں تو میرا دل ہر ایک کے بارے میں صاف ہو۔'' [۱۲]

۷- غیبت کی شناعت کو نبی ﷺ نے ایک مرتبہ اس تمثیل کے ذریعے سمجھایا کہ وہ اس قدر کڑوی ہوتی ہے کہ اگر اس کو سمندر میں ڈال دیا جائے تو اس کا سارا پانی کڑوا ہو جائے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے آپؐ کے سامنے صفیہؓ کے بارے میں کہا: وہ تو بس اس قدر ہیں (یعنی پستہ قد ہیں)۔ آپؐ نے فرمایا:

لقد قلت كلمة لو مزجت بماء البحر لمزجته [۱۳] — تم نے ایسی بات کہی ہے کہ اگر اسے سمندر میں ملا دیا جائے تو سارا پانی کڑوا ہو جائے۔

۸- غیبت آدمی کی زندگی میں کی جائے یا اس کے مرنے کے بعد، ہر صورت میں اس کی حرمت یکساں ہے۔ عہد نبوی میں ایک شخص کے اعترافِ زنا کے بعد اسے رجم کی سزا دی گئی۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کا گزر دو ایسے افراد کے پاس سے ہوا جن میں سے ایک دوسرے سے کہہ رہا تھا: اسے دیکھو، اللہ نے اس کے جرم پر پردہ ڈال دیا تھا، مگر اس نے خود آ کر اعتراف کر لیا، چنانچہ کتے کی موت مارا گیا۔ آپؐ اس موقع پر خاموش رہے۔ آگے بڑھے تو ایک گدھے کو مرا ہوا پایا۔ تب آپؐ نے فرمایا: فلاں اور فلاں کہاں ہیں؟ ان دونوں نے کہا: ہم حاضر ہیں۔ اے اللہ کے رسول۔ آپؐ نے فرمایا: جاؤ اس مرے ہوئے گدھے کا گوشت کھاؤ۔ انھوں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی۔ اسے کون کھائے گا؟ آپؐ نے فرمایا: تم دونوں ابھی اپنے بھائی کے بارے میں جو کچھ کہہ رہے تھے وہ اس سے زیادہ برا ہے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ وہ شخص تو اس وقت جنت کی نہروں میں غوطے لگا رہا ہے۔ [۱۴]

بعض علماء کے نزدیک غیبت کبیرہ گناہ ہے۔ علامہ قرطبیؒ نے کہا ہے کہ غیبت کبائر میں سے ہے، کیوں کہ کبیرہ کی حد اس پر صادق آتی ہے، یعنی اس کے بارے میں سخت وعید ہے۔ [۱۵]

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

کل المسلم علی المسلم حرام ماله و عرضه و دمه، حسب امرئ من الشر ان یحقر اخاه المسلم. ۱۶

ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کا مال، عزت اور خون حرام ہے۔ آدمی کے شر کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر جانے۔

غیبت کے دنیوی نقصانات

غیبت ایک ایسی برائی ہے، جس پر اُخروی عذاب کے ساتھ دنیاوی نقصانات بھی اٹھانے پڑتے ہیں:

(۱) غیبت کرنے والے کو اللہ تعالیٰ دنیا میں ہی ذلیل کر دیتا ہے:

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

یا معشر من امن بلسانه و لم یدخل الایمان قلبه، لا تغتابوا المسلمین ولا تتّبعوا عوراتهم، فانه من اتّبع عوراتهم یتّبع الله عورته و من یتّبع الله عورته یفضحه فی بیته۔ ۱۷

اے لوگو! جو صرف زبان سے ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں حالاں کہ ابھی ان کے دل میں ایمان داخل نہیں ہوا ہے، مسلمانوں کی غیبت نہ کرو اور ان کے عیوب کی ٹوہ میں نہ لگو۔ جو شخص دوسروں کے عیوب کی ٹوہ میں لگے گا اللہ تعالیٰ اس کے عیب کی ٹوہ لگائے گا اور جس کے عیب کی ٹوہ اللہ تعالیٰ لگائے گا اسے اس کے گھر میں ہی رسوا کر دے گا۔

(۲) غیبت کرنے والے شخص کی حرکتوں کے بارے میں جب اس شخص کو معلوم ہو جاتا ہے جس کی غیبت کی گئی ہے تو ایسا شخص مارے شرم کے پانی پانی ہو جاتا ہے۔

(۳) غیبت کرنے والے پر سے دوسروں کا اعتماد اٹھ جاتا ہے۔ کوئی شخص اس کے سامنے بات نہیں کرتا۔ بہ الفاظ دیگر ایسا شخص معاشرہ میں دوسرے انسانوں کا اعتماد کھو بیٹھتا ہے۔

(۴) غیبت کرنے والے کی عبادات قبول نہیں ہوتیں۔ حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ دو آدمیوں نے ظہر یا عصر کی نماز ادا کی۔ وہ دونوں روزے سے تھے۔ نبی ﷺ نے ان سے فرمایا: دوبارہ وضو کر کے پھر سے نماز پڑھو اور تمھارا روزہ بھی ٹوٹ گیا، اس کی قضا

کرو۔ انھوں نے اس کی وجہ دریافت کی ۔آپؐ نے فرمایا: اس لیے کہ تم دونوں نے ابھی فلاں شخص کی غیبت کی ہے۔[۱۸]

آپؐ نے غیبت کو بدکاری سے زیادہ سنگین جرم قرار دیا ہے۔

حضرت ابوسعیدؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک موقع پر فرمایا: غیبت زنا سے زیادہ سنگین ہے۔ صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! وہ کیسے؟ آپؐ نے فرمایا: آدمی زنا کرنے کے بعد توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے معاف کر دیتا ہے۔ (دوسری روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے بخش دیتا ہے)، جب کہ غیبت کرنے والے کو اس وقت تک نہیں بخشا جاتا، جب تک کہ وہ شخص نہ معاف کر دے جس کی غیبت کی گئی ہے۔[۱۹]

ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے غیبت کی شناعت سود سے بڑھ کر قرار دی ہے۔

حضرت سعید بن زیدؓ سے روایت ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

من اربی الربا الاستطالة فی عرض المسلم بغیر حق.[۲۰]

سود سے بڑھ کر گھناؤنا کام یہ ہے کہ ناحق کسی مسلمان کی عزت پر حملہ کیا جائے۔

غیبت کا اخروی انجام

غیبت پر اخروی انجام کی وعید بھی بڑی سخت ہے۔ غیبت کرنے والا شخص نہ صرف دنیا میں ذلیل و رسوا ہوتا ہے، بلکہ آخرت میں اس کے لیے عبرت ناک انجام ہوگا۔

حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب میں معراج پر گیا تو وہاں ایسے لوگوں کے پاس سے گزرا جن کے ناخن پیتل کے تھے۔ وہ ان سے اپنے سینوں اور چہروں کو نوچ رہے تھے۔ میں نے جبرئیل سے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: یہ وہ لوگ ہیں جو دوسرے لوگوں کا گوشت کھاتے تھے اور ان کی عزتیں پامال کرتے تھے۔[۲۱]

غیبت کی کمائی کرنے والوں کے لیے حدیث میں سخت وعید آئی ہے۔

حضرت مستوردؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

من اکل برجل مسلم اکلة، فإن اللّٰه یطعمه مثلها من جهنم، ومن کسی ثوباً برجل مسلم، فان اللّٰه یکسوه مثله من جهنم، ومن قام برجل مقام سمعة و ریاء، فان اللّٰه یقوم به مقام سمعة وریاء یوم القیامة۔[۲۲]

جوشخص کسی مسلمان کی غیبت کے بدلے میں ایک لقمہ کھائے، اللہ تعالیٰ اسے جہنم سے اسی جیسا لقمہ کھلائے گا اور جوشخص کسی مسلمان کی غیبت کے بدلے میں کپڑا پہنے اسے اللہ اس کے مثل جہنم کی آگ کا کپڑا پہنائے گا اور جس شخص نے کسی کی غیبت کے ذریعہ شہرت اور نام ونمود حاصل کی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے رسوائی کا مقام عطا کرے گا۔

غیبت کا کفارہ

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی آسانی کے لیے گناہوں کے کفارات مقرر کیے ہیں، تاکہ ان کے اثرات ختم ہو جائیں۔ حدیث میں غیبت کا کفارہ بھی منقول ہے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ان من کفارة الغیبة ان تستغفر لمن اغتبته، تقول: اللهم اغفرلنا و له۔[۲۳]

غیبت کا کفارہ یہ ہے کہ تم اس شخص کے لیے دعا کرو جس کی غیبت کی ہو اور کہو: اے اللہ! ہمیں اور اسے دونوں کو معاف کر دے۔

غیبت کے انسداد کی تدابیر

اس قبیح برائی کو معاشرے سے ختم کرنے کے لیے درج ذیل طریقے اختیار کرنے ضروری ہیں:

(۱) غیبت کی روک تھام کا بہترین طریقہ 'حفظِ لسان' یعنی زبان کو روک کر رکھنا ہے۔ کیوں کہ اکثر برائیوں کی جڑ زبان ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

من یضمن لی ما بین لحییه وما بین رجلیه اضمن له الجنة. [۲۴]

جوشخص مجھے دو چیزوں کی ضمانت دے، میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں ایک وہ چیز جو اس کے دونوں جبڑوں کے درمیان ہے (یعنی زبان) اور دوسری وہ جو اس کی دونوں ٹانگوں کے درمیان ہے (یعنی شرم گاہ)۔

(۲) دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص آپ کے سامنے کسی کی غیبت کرے تو آپ اسے روک دیں اور اس کی بات پر کان نہ دھریں، جیسا کہ متعدد احادیث میں رسول اللہ ﷺ کا یہی طرزِ عمل بیان کیا گیا ہے۔

غیبت کی مباح وجوہ

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہر وہ صورت جس میں 'ذکرک اخاک بما یکرہ' (کسی کے بارے میں دوسروں سے ایسی بات کہنا جو اسے ناپسند ہو) والی شرط پائی جائے، وہ غیبت کے زمرے میں آئے گی یا کچھ استثنائی صورتیں ہیں، جو حالات کے پیش نظر شریعت نے بیان کی ہیں۔ اس سلسلے میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ فرماتے ہیں:

''اس حرمت سے مستثنیٰ صرف وہ صورتیں ہیں جن میں کسی شخص کے پیٹھ پیچھے یا اس کے مرنے کے بعد اس کی برائی بیان کرنے کی کوئی ایسی ضرورت لاحق ہو جو شریعت کی نگاہ میں ایک صحیح ضرورت ہو اور وہ ضرورت غیبت کے بغیر پوری نہ ہو سکتی ہو اور اس کے لیے اگر غیبت نہ کی جائے تو غیبت کی بہ نسبت زیادہ بڑی برائی لازم آتی ہو'۔ ۲۵

بعض مخصوص صورتوں میں غیبت جائز ہونے کے دلائل

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض مخصوص صورتوں میں کسی شخص کا منفی تذکرہ اس کے پیٹھ پیچھے کیا جا سکتا ہے۔

(۱) حضرت ابوسفیانؓ کی بیوی حضرت ہند بنت عتبہؓ نے ایک موقع پر عرض کیا: اے اللہ کے رسول! ابوسفیان بڑے بخیل اور لالچی ہیں۔ وہ روز مرہ کے خرچ کے لیے مجھے اتنا نہیں دیتے کہ وہ میری اور میرے بچوں کی ضرورتوں کے لیے کافی ہو۔ آپؐ نے فرمایا:

خذی ما یکفیک وولدک بالمعروف. ۲۶

تم ان سے پوچھے بغیر ان کے مال سے اتنا لے سکتی ہو جو تمھارے لیے اور تمھارے بچوں کے لیے کافی ہو۔

اس حدیث سے ظاہر ہو رہا ہے کہ حضرت ہندہؓ نے اپنے خاوند کی غیر موجودگی میں

ان کے بارے میں ایسی بات کہی جو اگران کے سامنے کہی جاتی تو انھیں ناگوار گذرتی۔ آپ نے اس مسئلہ کا حل بتلایا، انھیں ایسی بات کہنے سے منع نہیں کیا۔

(۲) حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کو جب طلاق ہوگئی تو ان کے پاس نکاح کے پیغامات آنے لگے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے تذکرہ کیا کہ معاویہ بن سفیان اور ابوجہم نے نکاح کا پیغام دیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: ابوجہم تو لاٹھی اپنی گردن سے نہیں اتارتے۔ رہے معاویہ تو وہ غریب آدمی ہیں۔تم اسامہ بن زید سے نکاح کرلو۔ ۲۷

اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ آپؐ نے حضرت فاطمہ سے ان اشخاص کے بارے میں ایسی بات کہی جو اگران کے سامنے کہی جاتی تو انھیں ناگوار ہوتا۔

(۳) ایک بدو مسجد آیا، اس نے اپنی سواری بٹھائی، اسے باندھا، مسجد میں داخل ہوا، رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی، نماز سے فارغ ہوا تو باہر نکلا، سواری کو کھول کر اس پر سوار ہوا، پھر پکار کر کہا: اے اللہ! صرف مجھ پر اور محمد [ﷺ] پر رحم فرما، اور کسی پر نہیں۔ اس کی بات سن کر آپؐ نے صحابہ سے فرمایا: بتاؤ، یہ شخص زیادہ بھٹکا ہوا ہے یا اس کا اونٹ؟ کیا تم نے ابھی اس کی بات نہیں سنی۔ ۲۸

(۴) حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک شخص نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضری کی اجازت چاہی۔ آپؐ نے (چپکے سے) فرمایا: یہ اپنی قوم کا برا آدمی ہے۔ پھر فرمایا: اس کو اندر آنے کی اجازت دے دو۔ وہ آیا تو اس سے آپؐ نے بڑی نرمی سے باتیں کیں۔ جب وہ چلا گیا تو حضرت عائشہؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپؐ نے اس سے نرمی سے بات کی، حالاں کہ آپؐ نے اس کے بارے میں ایسا ایسا کہا تھا۔ آپؐ نے فرمایا:

ان اشرّ الناس منزلة عندالله يوم القيمة من ودعه او تركه الناس لا تقاء فحشه. ۲۹

روز قیامت بارگاہ الٰہی میں سب سے برا مقام اس شخص کا ہوگا جس کی بدکلامی سے بچنے کے لیے لوگ اس سے ملنا جلنا چھوڑ دیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عائشہؓ سے آپؐ نے اس شخص کی برائی بیان کی، جب کہ وہ سامنے نہیں تھا۔

(۵) ایک موقع پر آں حضرت ﷺ نے دو اشخاص کا تذکرہ کیا اور ان کے بارے میں فرمایا:

ما اظن فلانا و فلانا یعرفان من دیننا شیئا، ۳۰

میرا گمان ہے کہ فلاں اور فلاں کو ہمارے دین کے بارے میں کچھ نہیں معلوم ہے۔

(۶) حضرت زید بن ارقمؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلے۔ لوگوں کا زاد راہ ختم ہونے لگا۔ اس موقع پر عبداللہ بن ابی نے کہا کہ رسول اللہ کے ساتھیوں پر مت خرچ کرو۔ میں نے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوکر یہ بات بتائی۔ آپ نے عبداللہ بن ابی کو بلا کر تحقیق کی۔ وہ صاف مکر گیا اور قسم کھانے لگا۔ اس پر لوگ کہنے لگے کہ زید نے رسول اللہ ﷺ کے پاس جھوٹی شکایت کی۔ اس پر سورہ المنافقون نازل ہوئی جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے میری تصدیق کی۔ ۳۱

(۷) واقعۂ افک کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت اسامہ بن زیدؓ اور حضرت علیؓ سے ام المومنین حضرت عائشہؓ کے بارے میں مشورہ کیا۔ حضرت اسامہؓ نے عرض کیا کہ عائشہؓ ایسی باتوں سے پاک ہیں، البتہ حضرت علیؓ نے فرمایا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اللہ آپ پر تنگی نہ کرے گا، عائشہ کے علاوہ اور بھی بہت سی عورتیں ہیں۔ ۳۲ یہ بات اگر حضرت علیؓ ام المومنین کے سامنے کہتے تو انھیں ضرور ناگوار ہوتا۔

(۸) ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے نبی ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: میں ایک انصاری عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہوں، آپؐ نے فرمایا: ''اسے دیکھ لو، اس لیے کہ انصاری عورتوں کی آنکھ میں کچھ ہوتا ہے''۔ ۳۳

آپؐ نے انصاری عورتوں کا عیب اس وقت بیان کیا، جب وہ وہاں موجود نہ تھیں۔

درج بالا احادیث کی روشنی میں فقہاء و محدثین نے یہ قاعدہ اخذ کیا ہے کہ غیبت صرف اسی صورت میں جائز ہے جب کسی شرعی غرض کے لیے اس کی ضرورت ہو اور وہ ضرورت اس کے بغیر پوری نہ ہوسکتی ہو۔ ۳۴

علامہ ابن قیم فرماتے ہیں:

موضع الحاجة لیس بغیبة. ۳۵

وقتِ ضرورت کسی شخص کے پیٹھ پیچھے اس کی برائی کرنا غیبت نہیں ہے۔

محدثین کرام نے اسماء الرجال پر سینکڑوں کتابیں لکھی ہیں، جن میں راویوں کے عیوب بیان کیے گئے ہیں۔ وہ جب روایتِ حدیث کے معاملے میں کسی شخص پر جرح کرتے تو اسے غیبت نہیں سمجھتے تھے۔ اسی بنا پر امام بخاری اہل فساد کی غیبت کو مذموم غیبت میں شمار نہیں کرتے تھے۔[۳۶]

غیبت کی چند جائز صورتیں

درج بالا قاعدہ کی بنا پر علماء نے غیبت کی بعض صورتوں کو جائز قرار دیا ہے۔ وہ یہ ہیں:

(۱) ظالم کے خلاف مظلوم کی شکایت، اس شخص کے سامنے جس سے یہ توقع ہو کہ وہ ظلم کو دفع کرنے کے لیے کچھ کرسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَا یُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ. (النساء: ۱۴۸)

اللہ اس کو پسند نہیں کرتا کہ آدمی بدگوئی پر زبان کھولے، الّا یہ کہ کسی پر ظلم کیا گیا ہو۔

(۲) اصلاح کی نیت سے کسی شخص یا گروہ کی برائیوں کا ذکر ان لوگوں کے سامنے جن سے امید ہو کہ وہ ان برائیوں کو دور کرسکتے ہیں۔

(۳) استفتاء کی غرض سے کسی مفتی کے سامنے صورتِ واقعہ بیان کرنا جس میں کسی شخص کے کسی غلط فعل کا ذکر آجائے۔

(۴) لوگوں کو کسی شخص کے شر سے خبردار کرنا، تاکہ وہ اس کے نقصان سے بچ سکیں۔ مثلاً راویوں، گواہوں اور مصنفین کی کمزوریاں بیان کرنا بالاتفاق جائز ہی نہیں واجب ہے، کیونکہ اس کے بغیر شریعت کو غلط روایتوں کی اشاعت سے، عدالتوں کو بے انصافی سے، عوام یا طالبانِ علم کو گم راہیوں سے بچانا ممکن نہیں، یا مثلاً کوئی شخص کسی سے نکاح کرنا چاہتا ہو، یا کسی کے پڑوس میں مکان لینا چاہتا ہو، یا کسی سے شرکت کا معاملہ کرنا چاہتا ہو، یا کسی کو اپنی امانت سونپنا چاہتا ہو اور وہ آپ سے مشورہ لے تو آپ کے لیے واجب ہے کہ اس کی خوبیاں اور کمزوریاں دونوں بتادیں، تاکہ ناواقفیت میں وہ دھوکہ نہ کھاجائے۔

(۵) ایسے لوگوں کے خلاف علی الاعلان آواز بلند کرنا اور ان کی برائیوں پر تنقید کرنا جو فسق

و فجور پھیلا رہے ہوں، یا بدعات و گم راہیوں کی اشاعت کر رہے ہوں، یا خلق خدا کو بے دینی اور ظلم و جور کے فتنوں میں مبتلا کر رہے ہوں۔

(۶) جو لوگ کسی بُرے لقب سے اس قدر مشہور ہو چکے ہوں کہ اس کے سوا کسی اور لقب سے پہچانے نہ جائیں ان کے لیے وہ لقب استعمال کرنا جائز ہے، بشرطے کہ ان کی تنقیص مقصود نہ ہو، بلکہ محض ان کی پہچان مقصود ہو، جیسے اعمش (رتوندھی والا)، اعرج (لنگڑا)، اصم (بہرا)، اعمیٰ (اندھا)، احول (بھینگا)، ذوالیدین (جس کے ہاتھوں میں کوئی عیب ہو) وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو اس قبیح فعل سے محفوظ رکھے اور اس سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

حواشی و مراجع

۱ ابن منظور، لسان العرب، دار صادر بیروت، ج:۱، ص:۶۵۶، ج:۱۲، ص:۵۹۲، المنجد، ص:۱۰۸۷

۲ فیروز اللغات، ص:۳۱۰

۳ ابن حجر العسقلانی، فتح الباری، المکتبۃ السلفیۃ، ج:۱۰، ص:۴۷۳

۴ ابوداؤد، کتاب الادب، باب الغیبۃ، ح:۴۸۷۴؛ مسلم:۲۵۸۹

۵ قرطبی: ابوعبداللہ: محمد بن احمد، الجامع لاحکام القرآن (تفسیر قرطبی)، دار الحدیث، قاہرہ، طبعہ اولیٰ ۱۴۱۴ھ، ج:۸، ص:۶۰۱

۶ روح المعانی، ج:۲۶، ص:۱۵۹

۷ مسند احمد، حدیث اسماء بنت یزید، ح:۲۷۶۶۸

۸ ایضاً، حدیث ابی الدرداء، ح:۲۷۶۱۱

۹ صحیح بخاری، کتاب الادب، باب ما یکرہ من النمیمۃ، ح:۶۰۵۶؛ مسلم:۱۰۵

۱۰ ایضاً، کتاب الجنائز، باب عذاب القبر، ح:۱۳۷۸؛ مسلم:۲۹۲

۱۱ صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب الرخصۃ، ح:۳۳

۱۲ سنن ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی رفع الحدیث فی المجلس، ح:۴۸۶۰

۱۳ ایضاً، ح:۴۸۷۵

۱۴ ایضاً، کتاب الادب، باب الغیبۃ، ح:۴۸۷۴
۱۵ تفسیر قرطبی، ج:۸:ص:۲۸۳
۱۶ سنن ابوداؤد، کتاب الادب، باب الغیبۃ: ح:۴۸۸۲؛ مسلم:۲۵۶۴
۱۷ ایضاً، کتاب الادب، باب فی الغیبۃ، ح:۴۸۸۰
۱۸ سنن بیہقی، ح:۶۷۲۹
۱۹ ابوداؤد، کتاب الادب، باب الغیبۃ: ح:۴۸۷۶
۲۰ سنن ابوداؤد، کتاب الادب، باب الغیبۃ، ح:۴۸۷۶
۲۱ ایضاً، ح:۴۸۷۸
۲۲ ایضاً، ح:۴۸۸۱
۲۳ مشکوۃ المصابیح، ح ۴۸۳
۲۴ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب حفظ اللسان، ح:۶۴۷۴
۲۵ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، جلد ۵، ص۹۱، سورۂ حجرات، حاشیہ ۲۶۔ اس موضوع پر مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے: تفہیمات، سید ابوالاعلیٰ مودودی، اسلامک پبلی کیشنز (پرائیوٹ) لمٹیڈ، لاہور، ۲۰۰۰ء، جلد سوم، ص۹۹-۱۱۵۔ مقالہ: غیبت کی حقیقت اور اس کے احکام
۲۶ صحیح بخاری، کتاب النفقات، باب نفقۃ المرأۃ اذا غاب عنہا زوجہا، ح:۵۳۵۹
۲۷ مسلم، کتاب الفتن، باب الجساسۃ، ح:۲۹۴۲
۲۸ ابوداؤد، کتاب الطلاق، باب فی نفقہ.....، ح:۲۲۸۴
۲۹ ایضاً، کتاب الادب، باب من لیست لہ غیبۃ..... ح: ۴۸۸۵
۳۰ صحیح بخاری، کتاب الادب، باب ما یجوز من الظن، ح:۶۰۶۷
۳۱ ایضاً، کتاب التفسیر، باب قولہ اذا جاءک المنافقون الخ، ح:۴۹۰۰
۳۲ ایضاً، باب لولا اذ سمعتموہ.....، ح:۴۷۵۰
۳۳ مسلم، کتاب النکاح، باب ندب النظر الی وجہ المرأۃ ...، ح:۱۴۲۴
۳۴ تفسیر قرطبی، ج:۸، ص:۶۰۱-۶۰۴
۳۵ ایضاً
۳۶ صحیح بخاری، کتاب الادب، باب ما یجوز من اغتیاب.....، ح:۶۰۵۴؛ مسلم:۲۵۹۱

☆☆☆

سیر وسوانح

مفتی محمد سعد اللہ مرادآبادی
اور ان کی تصنیف خلاصۃ النوادر

ڈاکٹر تبسم صابر

دین کے اصول و مبادی کو جاننے کے لیے قرآن کریم کا فہم و ادراک بہت ضروری ہے۔ اس کا نزول عربی مبین میں ہوا ہے۔ جس وقت قرآن نازل ہو رہا تھا اس وقت جو لوگ اس کے مخاطب تھے وہ عربی زبان سے بہ خوبی واقف تھے، لہٰذا قرآن کے معنی و مفہوم کو سمجھنے میں انھیں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ اگر کبھی انھیں کسی لفظ کی مراد کو سمجھنے میں مشکل پیش آتی تو اس کے حل کے لیے رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ان کے درمیان موجود تھی۔ چنانچہ وہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپؐ اس کی توضیح و تشریح فرما دیتے تھے۔ لیکن جب آہستہ آہستہ اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہونے لگا اور عربوں کا دوسری قوموں سے اختلاط بڑھا تو غیر عرب اقوام کو عربی زبان سے ناواقفیت کے سبب قرآن سمجھنے میں دشواری کا سامنا کرنا پڑا۔ چونکہ اس وقت تک قرآن کریم پر نقطے اور اعراب نہیں لگائے گئے تھے، اس لیے صحیح تلاوت کا بھی مسئلہ تھا۔ عربوں کو اس کی ضرورت نہیں پڑتی تھی، اس لیے انھوں نے اس کی طرف توجہ نہیں کی، لیکن بعد میں اپنے عجمی مسلمان بھائیوں کو تلاوتِ قرآن پاک کی غلطیوں سے آگاہ کرنے کے لیے انھوں نے قرآن پر اعراب اور نقطے لگانا ضروری سمجھا، اس کے نتیجے میں علم اعراب القرآن کی بنیاد پڑی۔ بعد ازاں قرآن کے مطالب کی توضیح و تشریح کے لیے تفسیریں لکھی گئیں، نیز قرآن فہمی کے لیے متعدد علوم وضع کیے گئے، جن میں قرآن کے سبب نزول، وحی کی حقیقت اور اس کی اقسام، قرآن کی کتابت اور جمع و تدوین، قرآنی سور و آیات کی

ترتیب، وجوہ اعجاز قرآن، قصص القرآن، قراءت کے اصول وضوابط، قرآن کے مشکل الفاظ کا حل اور توضیح، اصول تفسیر، مکی و مدنی سورتوں کے مابین امتیاز، نقطے اور اعراب کی وضاحت، سبعۃ احرف وغیرہ جیسے موضوعات شامل تھے۔ بعد میں 'علوم القرآن' کے نام سے ایک مستقل فن وجود میں آ گیا۔ عالم اسلام میں اس موضوع پر لکھی گئی کتابوں میں علاّمہ زرکشیؒ کی 'البرہان فی علوم القرآن' (چار جلدیں)، علاّمہ جلال الدین سیوطیؒ کی 'الاتقان فی علوم القرآن' (دو جلدیں) اور شیخ زرقانیؒ کی 'مناھل العرفان' (دو جلدیں) معروف ہیں۔

علمائے ہند نے بھی اس موضوع پر قابل قدر تصنیفی سرمایہ یادگار چھوڑا ہے، چنانچہ ہندوستانی علما میں شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ نے علوم القرآن کے موضوع پر اپنی مایہ ناز کتاب 'الفوز الکبیر فی اصول التفسیر' (بہ زبان فارسی) لکھی، جس کے بارے میں مولانا عبدالحی حسنیؒ کا بیان ہے کہ ''علوم القرآن کے موضوع پر اس سے بہتر کوئی کتاب نہیں ہے''[۱] یہ کتاب علوم القرآن کے موضوع پر ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے اور اکثر عربی مدارس میں داخلِ نصاب ہے۔ شاہ صاحب کے صاحب زادے شاہ عبدالعزیز محدّث دہلویؒ نے بھی اس موضوع پر دو رسالے 'الافادات العزیزیۃ' (بہ زبان عربی) اور 'التحقیقات النفیسۃ' (بہ زبان فارسی) تصنیف کیے ہیں۔ نواب صدیق حسن خاں قنوجی کی 'الاکسیر فی اصول التفسیر' اور 'افادۃ الشیوخ بمقدار الناسخ والمنسوخ' (بہ زبان فارسی) بھی اس موضوع کی اہم کتابیں ہیں۔

انیسویں صدی عیسوی کا آسمانِ علم وادب جن مایہ ناز مشاہیر اہل قلم کے ناموں سے منور رہا ہے۔ ان میں ایک بہت ممتاز اور قابل قدر نام مفتی محمد سعداللہ مرادآبادی کا ہے۔ ان کے رشحاتِ قلم نے علم وحکمت اور تحقیق وجستجو کے بے شمار معرکے سر کیے ہیں۔ بیش تر ارباب سیر وتراجم نے ان کی خدمات کا اعتراف کیا ہے۔ مفتی سعداللہ ۱۸۰۴ء میں مرادآباد میں پیدا ہوئے اور ۱۸۷۷ء میں تقریباً تہتّر (۷۳) سال کی عمر میں آپ کی وفات ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اپنے وطن مرادآباد میں حاصل کی۔ بعد ازاں رام پور، نجیب آباد، دہلی اور لکھنؤ کے باکمال اساتذۂ فن سے مختلف علوم وفنون میں خوشہ چینی کی، یہاں تک کہ بہت جلد اپنی صلاحیت ومحنت، فراست وذکاوت اور شبانہ روز جدوجہد سے چمنستانِ علم وادب میں اپنا ایک خاص مقام

بنالیا۔ انتیس (۲۹) سال کی عمر میں تعلیم سے فراغت کے بعد مدرسۂ شاہی لکھنؤ میں بہ حیثیت استاد تقرر ہوا، نیز قضا و افتا کے عہدۂ جلیلہ سے سرفراز کیے گئے۔ ۱۸۵۶ء تک بدستور سابقہ عہدوں پر برقرار رہے۔ پھر سلطنت لکھنؤ کے زوال پزیر ہو جانے کے بعد جب وہاں آپ کا قیام مشکل ہو گیا تو نواب یوسف علی خاں والیٔ رام پور کی دعوت پر رام پور تشریف لائے۔ لکھنؤ کی طرح رام پور میں بھی آپ کے علم و فضل کی بہت قدر دانی ہوئی۔ نواب رام پور نے آپ کے مرتبہ و منزلت کے پیشِ نظر آپ کو نہ صرف عہدۂ قضاء و افتاء پر فائز کیا، بلکہ عدالت مرافعہ کے حاکم اور کچھ دنوں بعد ریاست کے تمام مدارس کے نگراں کی حیثیت سے آپ کا تقرر فرمایا۔ ان عہدوں پر آپؒ تادم حیات برقرار رہے۔ تمام عمر تعلیم و تعلّم سے وابستہ رہنے کی وجہ سے آپ کے تلامذہ کی تعداد بہت زیادہ ہے، جن میں اکثر مشاہیر اہل قلم کی فہرست میں شامل ہیں۔ آپ کی تصانیف کے ضمن میں مختلف موضوعات پر عربی، اردو اور فارسی میں کم و بیش اڑتیس (۳۸) کتابوں کے نام ملتے ہیں، جن میں بعض مختصر رسالوں اور بعض شروح و حواشی کی شکل میں ہیں۔ اس کے علاوہ آپ کے بعض فتاوی بھی ہیں، جن سے فقہ حنفی میں آپ کا امتیازی وصف ظاہر ہوتا ہے۔[۲]

مفتی سعداللہ کی تصانیف کی فہرست میں دو کتابیں علوم القرآن کے موضوع پر بھی ہیں۔ ان کے نام یہ ہیں: (۱) نوادر البیان فی علوم القرآن (۲) خلاصۃ النوادر۔

اکثر تذکرہ نگاروں نے اوّل الذکر تصنیف کا ذکر اپنی کتابوں میں کیا ہے، لیکن کافی تلاش و جستجو کے بعد بھی یہ کتاب دست یاب نہ ہوسکی۔ جہاں تک آخر الذکر تصنیف 'خلاصۃ النوادر' کا تعلق ہے، یہ ایک مختصر رسالہ ہے، جو مطبع مسیحائی لکھنؤ سے بڑی تقطیع کے چھبیس (۲۶) صفحات میں چھپا ہے، ہر صفحہ میں اکیس (۲۱) سطریں ہیں۔ اس کے قلمی نسخے لائبریری دیال سنگھ کالج لاہور، نیشنل میوزیم کراچی، پاکستان[۳] اور کتب خانہ جامعہ ہمدرد، نئی دہلی میں محفوظ ہیں۔ کتب خانہ جامعہ ہمدرد میں محفوظ نسخہ کی تفصیل یہ ہے:

ورق ۳۳، سائز ۱۲×۵/ ۱۹، سطر ۱۱، خط نستعلیق، زمانہ ۱۸/ ربیع الاول ۱۲۶۹ھ [۴]

خلاصۃ النوادر کے مقدمے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسالہ مفتی صاحب کی کتاب

'نوادرالبیان فی علوم القرآن' کی کچھ فصلوں کی، مع کچھ اضافوں کے، تلخیص ہے۔ یہ تلخیص انھوں نے حاجی محمد حسین کی فرمائش پر تیار کی تھی، تاکہ یہ اس قرآنِ مترجم بدوتر جمہ کا مقدمہ بن سکے جو موخر الذکر کے پیش نظر تھا۔ ذیل میں مقدمے کی عبارت ملاحظہ ہو:

''اما بعد ناواقفِ مطلق از رموزِ علوم و نا آگاہ محمد سعداللہ جعل اللہ اخراہ خیراً من اولاہ خدمت قاریانِ سورۂ اخلاص و حافظان طرقِ اختصاص التماس میدارد کہ این چند فصلی است مستخرج ومستنبط از بعض فنونِ رسالہ 'نوادرالبیان فی علوم القرآن' تالیف ایں ہیچمد ان کہ گردۂ تصویرش حسب ایمای حافظ رسوم ومحبت و وداد رمز شناسِ غوامض مودت و اتحاد عین مردم انسانیت و مردم عین آدمیت بل عین نور العین حاجی محمد حسین صانہ اللہ تعالیٰ عن حوادثِ الزمانِ والأین در بیان نزول قرآن و آداب تلاوت و تجوید وقرأت ورسم وغیرہ آن ریختہ شد وعنان شبدیز قلم بار دیگر بمیدان اختصارش ہم باشارۂ حضرت ایشان تا مقدمہ قرآن مجید مطبوع مترجم بدوتر جمہ گردد منعطف نمودہ آمد وسوای آں حرفی چند کہ ہنگامِ تلخیص حسبِ حال بنظر آمد دریں رسالہ افزودہ شد وسمّیتہ بخلاصۃ النوادر متوکلاً علی اللہ القادر. حافظ علی الاطلاق مطبوع خواطرِ صاف در وفانِ آفاق سازد، واَز چشمِ زخم کور سوادان ذی اختلاق زادہم اللہ المرض والشقاق محفوظ دارد بیت:

خدا پیرا بخشد از قبولش

مصون دارد زردِ ہر فضولش"۵

پیش نظر رسالے میں سات فصلیں ہیں، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

فصل اوّل در رموز اسامیِ قاریان وراویانِ ایشاں:

اس میں مفتی صاحبؒ نے شمسی و بدری قاریوں اور ان کے راویوں کے نام اور حروفِ ابجد کی مناسبت سے ان کے ناموں کے جو رموز اہلِ فن نے مقرر کیے ہیں، انہیں بیان کیا ہے۔

فصل دوم درتعریف وقف واقسام آں

اس فصل میں مصنف نے وقف کے لغوی و اصطلاحی معانی ،حدیث نبوی اورآثارِصحابہ سے ان کے ثبوت اور ابن الجزری کی بتائی ہوئی تقسیم کی تصویب وتائید کرتے ہوئے وقف کی پانچ اقسام مقرر کی ہیں اور ہر قسم کی تعریف مع امثلہ تحریر کی ہے۔

فصل سوم درعلامات ورموز وقف وغیرآں

قرآن پاک میں آیات اور الفاظ کے آخر میں کچھ نشانات بنے ہوتے ہیں، جو اس بات کو ظاہر کرتے ہیں کہ یہاں ٹھہرنا چاہیے یا نہیں۔اس فصل میں مفتی صاحب نے ان علامات ورموز کی وضاحت کی ہے۔

فصل چہارم درعددسورتہاوآیات وکلمات وحروف قرآن

اس فصل میں مفتی صاحب نے علوم القرآن سے متعلق بعض شاذ اور غیر معتبر رایوں سے بحث کی ہے۔ مثلاً: بعض صحابۂ کرام کے نزدیک معوّذتین مصحف میں شامل نہیں ہیں اور بعض سورۂ انفال اور سورۂ توبہ کوایک سورہ شمار کرتے ہیں۔بعض کے خیال میں 'دعائے قنوت' دو سورتیں ہیں، اس وجہ سے قرآن کی سورتوں کی تعداد کے سلسلہ میں اختلاف پیدا ہوگیا ہے۔ آیاتِ قرآن کی تعداد کے سلسلے میں بھی مختلف آرا ہیں۔ اس سلسلے میں اہلِ کوفہ، اہل شام اور اہلِ بصرہ کے مسالک ایک دوسرے سے الگ ہیں۔ علاوہ ازیں حروف مشدّدکوبعض قرّا دو حروف شمار کرتے ہیں اور بعض ایک ہی حرف مانتے ہیں۔ اس اختلاف کی وجہ سے قرآن پاک کے کل حروف کی تعداد میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔مفتی صاحب نے مذکورہ مباحث سے متعلق مختلف صحابہ کرام اور متقدمین ومتاخرین قرّاء کرام کی آرانقل کی ہیں۔آخر میں توضیح و تشریح کی غرض سے انھوں نے دودائرے پیش کیے ہیں۔ پہلے دائرے میں قرآن کی سورتوں، آیات، رکوعات، کلمات، حروف واعشار واخماس واعراب ونقاط وتشدید ومدّات کی تعداد نقل کی ہے اور دوسرے دائرے میں حضرت عبدالعزیز بن عبداللہ کے قول کی مطابقت میں حروفِ ہجا

کی تعداد بیان کی ہے۔

مفتی صاحب کے حسب تصریح قرآن پاک کی سورتوں کی تعداد ۱۱۴، رکوعات کی تعداد ۵۴۰، اعشار کوفی ۴۲۳، اعشار بصری ۶۲۳، اخماس کوفی ۸۵۶، اخماس بصری ۱۲۴۰، آیاتِ کوفی ۶۲۳۶، آیاتِ بصری ۶۲۱۶، آیاتِ شامی ۶۲۵۰، آیاتِ مکّی ۶۲۱۲، آیاتِ مدنی ۶۲۱۴، آیاتِ عامّہ ۶۶۶۶، کلمات ۷۶۴۳۰، حروف ۳۲۲۶۷۱، فتحات ۵۳۲۴۳، ضمّات ۸۸۰۴، کسرات ۳۹۵۸۲، نقاط ۱۰۵۶۸۱، مدات ۱۱۷۷۱ اور تشدیدات ۱۲۵۳ ہیں۔

فصل پنجم در بیان مکی و مدنی بودن سورتہا و تفصیل رکوعہا و آیات و کلمات و حروف از آنہا

اس فصل میں مفتی صاحب نے مختلف اقوال کی روشنی میں بیان کیا ہے کہ کون کون سی سورتیں مکی اور مدنی ہیں؟ وہ کون سی سورتیں ہیں جو فتح مکہ یا حجۃ الوداع کے موقع پر یا کسی دوسرے سفر میں نازل ہوئیں۔ انھوں نے یہ بھی وضاحت فرمائی ہے کہ جن سورتوں کا بعض حصہ عہد مکی میں اور بعض عہد مدنی میں نازل ہوا ہے وہ مکی سورتوں میں شمار ہوں گی یا مدنی میں؟ آخر میں ایک جدول میں ترتیب سورہ کے لحاظ سے ہر سورہ کے ساتھ اس کے مکی یا مدنی ہونے کی وضاحت، آیاتِ کوفی و بصری و شامی کی وضاحت، نیز کلمات، حروف، رکوعات کی صراحت کی ہے۔

فصل ششم در تجوید بیان مخارج و صفات حروف

اس میں مفتی صاحب نے تجوید کے لغوی و اصطلاحی معانی بتاتے ہوئے اس کی اہمیت اور مخارج حروف کی تعداد بیان کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ اگرچہ زبان سے ادا ہونے والے ہر حرف کا مخرج مختلف ہوتا ہے، لیکن سیبوؔیہ اور خلیلؔ نحوی نے ان کی تعداد مقرّر کی ہے۔ سیبوؔیہ کے نزدیک مخارجِ حروف سولہ (۱۶) ہیں اور خلیلؔ کے نزدیک ان کی تعداد سترہ (۱۷) ہے۔ بعد ازاں اس فصل میں انھوں نے خلیلؔ کے مقرر کردہ سترہ (۱۷) مخارج کی تفصیل پیش کی ہے، جسے بعد میں شکل سے بھی واضح کیا ہے۔

مخارجِ حروف کے بیان کے بعد مفتی صاحب نے حروف کی صفات اور ان کے اعتبار سے حروفِ ہجا کی تقسیم بتائی ہے۔ لکھتے ہیں کہ ''حروف کی کچھ لازمی صفات ہوتی ہیں جو

کسی صورت میں بھی ان سے جدا نہیں ہوتیں اور کچھ عارضی صفات ہوتی ہیں جو کبھی پائی جاتی ہیں اور کبھی نہیں پائی جاتیں، مثلاً حرکاتِ سہ گانہ یعنی ضمّہ، فتحہ، کسرہ، اور اِشباع، وقف، اسکان وامالہ صغریٰ وکبریٰ وقصر وتحقیق وتسہیل وابدال وحذف وغیرہ۔ ان صفات کے اعتبار سے انھوں نے حروفِ ہجا کی پچیس (۲۵) قسمیں بیان کی ہیں اور آخر میں دائرہ کی صورت میں ان کی توضیح فرمائی ہے۔

فصل ہفتم درفضائلِ قرآن وآدابِ تلاوت

اس فصل میں مفتی صاحب نے فضائل قرآن سے متعلق جامع ترمذی، معجم طبرانی، مسند احمد اور مقدمہ ابن صلاح سے کچھ احادیث نقل کی ہیں، اس کے بعد سنن ابوداؤد سے ایک حدیث نقل کی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے قرآن پڑھ کر فراموش کردینے والے کو روزِ قیامت مقطوع البرکۃ اور خالی از خیر ہونے کی وعید سنائی ہے۔ اس کے بعد انھوں نے آدابِ تلاوت سے متعلق مختلف علمائے کرام کے اقوال ذکر کیے ہیں، نیز اسلاف کا طریقہ نقل کیا ہے۔ علاوہ ازیں قرآن کو بے وضو چھونے اور تلاوتِ جہری وخفی جیسی بحثوں پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ اس فصل میں انھوں نے آداب تلاوت سے متعلق الاتقان، الاذکار، کشف شرح وقایہ، تیسیر الوصول، ابوداؤد، طبرانی، ہدایہ، احیاء العلوم، ترمذی، المظہر شرح المشکوٰۃ اور دیگر کتابوں سے روایات نقل کی ہیں۔ آخر میں اوراد و وظائف کا ذکر کیا ہے اور تلاوت قرآن سے فراغت کے بعد پڑھی جانے والی مختلف دعائیں، جو مولانا یعقوب چرخی اور ملا علی قاری مصنّف شرح عین العلم'' سے منقول ہیں، درج کی ہیں۔

اس رسالے کی قدر و قیمت کا اندازہ تو ماہرین فن ہی لگا سکتے ہیں، اس مختصر مقالہ میں بقدر استطاعت اس کا تعارف پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یوں تو اس رسالے کا مطالعہ ہر خاص و عام کے لیے مفید ہے، لیکن بالخصوص وہ حضرات، جو اس موضوع پر تحقیقی کام کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں ان کے لیے اس کی افادیت کہیں بڑھ کر ہے۔ والفضل بید اللّٰہ یوتیہ من یشاء۔

حواشی ومراجع

۱ اسلامی علوم وفنون ہندوستان میں، مولانا عبدالحی حسنی، اردو ترجمہ مولانا ابوالعرفان ندوی، مطبع معارف اعظم گڑھ، ص۲۴۲

۲ مفتی سعداللہ مرادآبادی کے حالات زندگی کی تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے: تذکرہ کاملان رام پور، حافظ احمد علی خاں شوقؔ، ص۱۵۱-۱۵۴؛ حیات اسعد، نسیم غازی مرادآبادی، ص۷۰؛ نزھۃ الخواطر، مولانا عبدالحیؒ حسنی، ج۸، ص۲۳۶؛ مقدمہ فتاوی سعدیہ، مرتبہ مولانا محمد لطف اللہ ولد مفتی محمد سعداللہ مرادآبادی، ص۹-۱۰

۳ فہرست مشترک نسخہ ہائے خطّی فارسی پاکستان، جلد:۱، ص۱۵۱

۴ فہرست نسخہ ہائے خطی فارسی، کتاب خانہ جامعہ ہمدرد، تغلق آباد، دہلی نو، شمارہ:۴-۴۵

۵ خلاصۃ النوادر، ص۱

اسلام میں خدمت خلق کا تصور

مولانا سید جلال الدین عمری

اسلام نے خدمتِ خلق کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے۔ اس کتاب میں خدمتِ خلق کی دینی حیثیت اور عبادت سے اس کا تعلق واضح کرنے کے بعد خدمت کے مختلف پہلوؤں، طریقوں اور ذرائع کی نشان دہی کی گئی ہے۔ اس کے مستحقین کا تذکرہ ہے۔ وقتی اور ہنگامی خدمات، مستقل خدمات، رفاہی خدمات اور اس مقصد سے قائم ہونے والے اداروں اور تنظیموں کی شرعی حیثیت بیان کی گئی ہے اور اس سلسلہ میں مروّج بعض غلط تصورات کی اصلاح بھی کی گئی ہے۔ وقت کے ایک اہم موضوع پر اردو میں پہلی مستند کتاب، صفحات:۱۸۴، قیمت: =/۸۰ روپئے

اس کتاب کا انگریزی ترجمہ Islam and service to mankind کے نام سے شائع ہوچکا ہے، صفحات:۲۰۰، قیمت:-/۱۰۰ روپئے

ملنے کے پتے: ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی، پوسٹ بکس نمبر:۹۳، علی گڑھ-۲
مرکزی مکتبہ اسلامی پبلیشرز، دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی-۲۵

ترجمہ و تلخیص

اندلسی مسلمانوں کا دورِ مظلومی

مترجم: جناب صاحب عالم اعظمی ندوی

اندلس میں اسلامی حکومت کے زوال کے بعد عیسائی حکومتوں کے زیرِ سایہ رہنے والے مسلمان (جنھیں 'موریسکیون' کا نام دیا گیا ہے) ایک طویل مدت تک ان کے ظلم و بربریت کا نشانہ بنے رہے۔ انھیں بہ جبر عیسائی بنالیا گیا اور ان کی تمام مذہبی کتابیں ضبط کر لی گئیں، لیکن اس الم ناک ماحول میں رہنے کے باوجود انھوں نے اپنے دینی تشخّص کو، جتنا ان سے ہوسکا، باقی رکھا، نیز اسلامی عقیدے اور شعائر کی حفاظت کی۔ ان مظلوم مسلمانوں نے اس مدت میں کچھ نوشتے تیار کیے تھے، جن میں اپنی مظلومیت کے احوال بیان کیے ہیں اور نئی نسل کی تربیت کے لیے دینی عقائد و مراسم کا تذکرہ کیا ہے۔ ان لوگوں نے اس لٹریچر کو عیسائی حکومتوں کے کارندوں، نیز عیسائی معاشرہ کے خوف سے چھپائے رکھا۔ بعد میں جب مسلمانوں کو مکمل طور سے اندلس سے جلاوطن کر دیا گیا تو یہ لٹریچر اندلس ہی میں دفینہ بنا رہا۔ کچھ عرصہ کے بعد اس کا انکشاف ہوا، جس کے نتیجے میں اندلسی مسلمانوں کے دورِ مظلومی کے احوال و حقائق سے پردے اٹھنے لگے۔ اسے 'الخمیادی ادب' (La Literature Algamida) کا نام دیا گیا ہے۔ اس لٹریچر کی اہمیت یہ ہے کہ اس کے ذریعے اندلس میں مسلم حکم رانی کے خاتمہ کے بعد وہاں رہ جانے والے مسلمانوں کے صحیح احوال کا علم ہوتا ہے اور ان کے اعتقادات و افکار، رہن سہن اور عادات و اطوار پر روشنی پڑتی ہے۔

ڈاکٹر رین ہولڈ کونٹزی (Reinhold Kontzi) کو الخمیادی ادب سے خصوصی دل چسپی ہے۔ موصوف مغربی جرمنی کی ایک یونی ورسٹی میں پروفیسر ہیں۔ انھوں نے موریسکیون کے حوالے سے دریافت شدہ متعدد مخطوطوں کو تحقیق کے ساتھ شائع کیا ہے۔ ان کے تعارف پر مشتمل پروفیسر موصوف کا ایک مقالہ (جو اسپینی زبان میں لکھا گیا تھا)

معہد عربی اسپین کے میگزین 'اوراق' میں سنہ ۱۹۷۹ء میں شائع ہوا تھا۔ قاہرہ یونی ورسٹی مصر کے پروفیسر ڈاکٹر عبداللہ جمال الدین نے اس مقالہ کا عربی میں ترجمہ کیا، جو ان کے نوٹ کے ساتھ کلیہ دارالعلوم، جامعہ قاہرہ کے میگزین میں شائع ہوا۔ ہم ان کے شاگرد جناب صاحب عالم اعظمی ندوی کے شکرگزار ہیں کہ انھوں نے اس مقالہ کا عربی سے اردو میں ترجمہ کیا ہے، جس سے اردو خواں قارئین کو بھی اندلس کے ناگفتہ بہ حالات اور مسلمانوں کی دینی جدوجہد کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ (رضی الاسلام)

سنہ ۷۱۱ء میں اسلامی لشکروں نے شبہ جزیرہ ایبریا پر حکومت کرنے والی قوم (قوط) کو شکست دی اور ان کی لشکرکشی جاری رہی، یہاں تک کہ انھوں نے چند برسوں میں پورے اسپین کو فتح کرلیا۔ اسلامی فتوحات کے دائرہ میں نہ آنے والے جو تھوڑے بہت علاقے بچ رہے تھے وہ دراصل پہاڑی تھے۔ یہ غیر مفتوح علاقے بعد میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف برپا ہونے والی ان عیسائی تحریکوں کی آماج گاہ بن گئے، جن کو تاریخ میں بازیافتگی (اعادۃ الفتح) کے نام سے جانا جاتا ہے، لہٰذا ان علاقوں کو بعد میں کافی اہمیت حاصل ہوگئی تھی۔

جہاں تک شبہ جزیرہ ایبریا کے اہم اور وسیع تر علاقوں کا تعلق ہے، جنھیں عربوں نے اندلس کا نام دیا تھا، ان کے باشندوں نے صرف اسلام ہی قبول نہیں کیا، بلکہ اسلامی ثقافت کو گلے لگایا اور عربی زبان سیکھی کہ یہ اسلامی ثقافت کے اظہار کا سب سے بڑا ذریعہ تھا۔

اس وقت اندلس کی آبادی چھ ملین نفوس پر مشتمل تھی، جن میں صرف پچاس ہزار عربی نژاد تھے، بقیہ لوگ قوم بربر سے تھے، یا پھر اس ملک کے اصلی باشندے تھے، جو باقی ماندہ قوطیوں میں ملے جلے تھے۔ ہم 'اسپین' کا اطلاق ان ہی باشندوں پر کریں گے۔

ان اسپینیوں کی اکثریت نے بہت آسانی سے اسلام قبول کرلیا تھا۔ اسلام نے ان کو غلامی کے زنجیروں سے آزاد کرایا اور انھیں سارے انسانی حقوق سے نوازا۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کو تاریخ میں Muladies کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ اصطلاح عربی زبان کے لفظ 'مولّدین' سے ماخوذ ہے۔ ان لوگوں نے اسلام قبول کرنے کے ساتھ اسلامی عقیدے کا بہت گہرائی سے مطالعہ کیا اور عربی زبان کو اپنی مادری زبان کا درجہ دیا کہ اس کے بغیر اسلامی ثقافت

کی گہرائیوں میں جانا ممکن نہیں تھا، لیکن اسی کے ساتھ انھوں نے اپنی پہلی مادری زبان رومن ہسپانوی کی بھی حفاظت کی۔

ان اسپینیوں کی اچھی خاصی تعداد ایسی بھی تھی جو اپنے عیسائی مذہب پر قائم رہی۔ ان کی اکثریت شہروں میں رہتی تھی۔ انھوں نے اگرچہ اسلام قبول نہیں کیا، مگر عربی ثقافت سے اتنے متاثر ہوئے کہ عربوں کے نقش قدم پر چلے اور ان کی ثقافت کو دل و جان سے قبول کیا۔ یہ جماعت تاریخ میں Moz Arabe کے نام سے مشہور ہوئی، جو دراصل عربی زبان کے اسم فاعل 'مستعرب' سے مشتق ہے، جس کا مطلب ہے ایسا شخص جو عربوں کی تقلید کرے اور ان کی ثقافت کا حصہ بن جائے۔ ابتدائی دور میں ان کی تعداد کافی تھی، لیکن زمانہ گزرنے کے ساتھ ان کی تعداد کم ہوتی گئی، نیز ان کی سیاسی اور ثقافتی اہمیت ختم ہوگئی، پھر چند صدیاں بھی نہیں گذریں کہ اندلس متواتر شکست کے نتیجہ میں ایک چھوٹے سے علاقے میں محدود ہوکر رہ گیا، جس کے باشندوں میں ایک عام مشابہت یہ تھی کہ وہ اپنے دین و ثقافت میں دوسروں سے الگ تھے اور عربی زبان کے ساتھ رومینٹک اسپینی زبان بولتے تھے۔

عیسائیوں کے دوبارہ غلبہ کا یہ عمل کئی مرحلوں میں مکمل ہوا۔ پہلا مرحلہ کئی صدیوں تک چلتا رہا۔ اس مرحلے میں عیسائیوں کے آگے بڑھنے کی رفتار کافی سست رہی، جب کہ مسلمانوں کو ہمیشہ جنگی و سیاسی فوقیت کی وجہ سے پیچھے پلٹنے کا وقت ملتا رہا، لیکن پھر ان میں کم زوری آگئی، جس کی وجہ سے عیسائیوں نے سنہ ۱۰۶۵ء میں طلیطلہ پر قبضہ کرلیا۔ دوسرے دور کی رفتار تیز رہی، جو عیسائیوں کے سنہ ۱۱۷۱ء میں ترویلہ پر قبضہ کے بعد ختم ہوا۔ یعنی صرف ایک صدی سے بھی کم مدت میں عیسائیوں نے کافی علاقے مسلمانوں سے چھین لیے، جن میں بہت سے ایسے متمدن شہر بھی تھے، جو اسلامی تمدن و ثقافت کے گہوارے تھے۔

اسپین میں اس مرحلہ میں مغلوبین کے ساتھ رواداری کا سلوک غالب رہا اور عیسائیوں نے ان خطوں میں آباد مسلمانوں کے ساتھ دینی و ثقافتی رواداری روا رکھی، جس کے نتیجہ میں ایک ایسی اقلیتی اسلامی جماعت کا وجود عمل میں آیا جو تاریخ میں Los Mudejares کے نام سے معروف ہوئی، یعنی وہ موریسکیون یا مدجنون جو عیسائی حکومت کے سائے میں رہے۔

جہاں تک لفظ Mudejar کا تعلق ہے وہ عربی زبان کے لفظ 'مُدجَن' سے مشتق ہے، جس کے معنی ہیں کسی جماعت کو کہیں رہنے کی اجازت دینا اور اس کے ساتھ دینی، سیاسی اور معاشرتی رواداری برتنا۔ ان اجازت یافتہ مدجنون کی تعداد کافی تھی، لیکن ان کی اکثریت درج ذیل مختلف اسباب کی بنا پر اراجون کے علاقہ میں سکونت پذیر تھی۔

اراجون کے بادشاہ نے بہت ہی تھوڑی مدت میں مسلمانوں سے کافی زمینیں چھین لی تھیں، لیکن عیسائی حکومت کے لیے ممکن نہیں تھا کہ وہ ان بسے ہوئے مسلمانوں کو فوری طور پر جلاوطن کر سکے، نہ ان کا فوری طور پر انخلا کر کے کسی دوسری قوم کو ان کی جگہ لے آئے۔ جہاں تک ارجوانی عیسائیوں کا تعلق تھا تو ان کے اندر اتنی انتظامی اور اقتصادی صلاحیت نہیں تھی کہ ملک کی اقتصادی ترقی بحال رکھنے کے لیے ان پر بھروسہ کیا جا سکے، لہٰذا عیسائی حکومت کے اہل کاروں کی رائے یہ ٹھہری کہ ان مغلوب مسلمانوں کے ساتھ وقتی طور پر رواداری برتی جائے اور انھیں سارے حقوق دیے جائیں، تاکہ ان کے علمی اور عملی تجربات سے مکمل فائدہ اٹھا کر ایک ایسی نسل تیار کی جائے جو مستقبل میں ان مسلمانوں کا خلا پر کر سکے۔ یہ سیاست کافی کامیاب رہی، جسے دوسرے علاقوں میں بھی عیسائی حکومتوں نے اپنایا۔ مثال کے طور پر تیرہویں صدی عیسوی کی تیسری دہائی میں بلنسیہ پر عیسائی غلبہ کے وقت بھی یہی سیاست اپنائی گئی، جس کے نتیجہ میں یہاں بھی مدجنین کی تعداد میں مزید اضافہ ہوگیا، لیکن اسپین کے دوسرے علاقوں کے مقابلہ میں اراجون میں ہمیشہ ان کی اکثریت رہی۔

جب عیسائیوں کے غلبہ کا تیسرا مرحلہ شروع ہوا تو ساری رواداری کو خیرباد کہہ دیا گیا اور مغلوب مسلمانوں پر ظلم و جبر کا ایک نیا باب شروع ہوا۔ یہ مرحلہ وادی شاطہ (Guadalruivir) پر عیسائی قبضہ کے بعد شروع ہوا اور سنہ ۱۲۶۲ء میں لبلہ (Niebla) پر قبضہ کے بعد ختم ہوا۔ لبلہ سرقسطہ میں واقع قلعہ ایوب (Calatayud) کا دوسرا نام ہے۔ اس مرحلہ میں عیسائیوں نے مسلم آبادیوں کو ان کے اپنے ملک سے در بدر کرنا شروع کیا، نیز ان کی نسل کشی کی رفتار تیز کر دی۔ اس طرح ایک صدی بھی نہیں گذری کہ مسلمانوں کو مجبوراً یہ سارا علاقہ خیرباد کہنا پڑا، حتی کہ اسپین کے اس حصہ میں ایک بھی مسلمان باقی نہیں بچا۔

عیسائیوں نے ان خالی علاقوں میں ملک کے شمالی علاقوں سے لوگوں کو لا کر آباد کرنا شروع کیا، لیکن ان کی تعداد بہت زیادہ نہیں تھی، اور جو آباد ہوئے ان کے اندر اتنی علمی اور عملی صلاحیت نہیں تھی کہ وہ تجربہ کار مسلمانوں کی جگہ زراعت وحرفت کا کام سنبھال سکیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند ہی سالوں میں اندلس کی اقتصادی حالت بہت تیزی سے خراب ہوگئی، جب کہ مسلمانوں کی ہجرت کے وقت ان علاقوں کی اقتصادیات اوج کمال کو پہنچی ہوئی تھیں۔

اس طرح مسلمانوں کے ہاتھ سے ان کی ساری زمینیں نکل گئیں، صرف ایک غرناطہ کا علاقہ بچ رہا، لیکن اس پر بھی قانونی بالادستی عیسائی حکومت کی ہی تھی۔ مملکتِ نصر نے عیسائی حملوں کی تاب نہ لاکر آخر میں ہتھیار ڈال دیے اور غرناطہ کے مسلمانوں کا مستقبل حملہ آور عیسائیوں کے ہاتھوں میں سونپ دیا، اس طرح کیتھولک عیسائی بادشاہ سنہ ۱۴۹۲ء میں دس سال کی طویل ترجنگ کے بعد مسلمانوں کے اس آخری قلعہ پر بھی قابض ہوگئے اور 'غرناطہ معاہدہ' کی رو سے اسپین سے اسلامی حکومت کا جھنڈا ہمیشہ کے لیے اتار پھینکا گیا۔

یہاں یہ ذکر کرنا فائدے سے خالی نہ ہوگا کہ غرناطہ کے سلسلے میں کیے گئے معاہدات اسپین کے مسلمانوں کے حق میں تھے، کیوں کہ ان معاہدوں کی رو سے انھیں اسلامی عقیدے کے مطابق پوری آزادی کے ساتھ غرناطہ میں رہنے کا حق حاصل تھا۔ اس طرح موریسکیون کی اصطلاح میں مزید وسعت آ گئی۔ اس مرحلہ میں معاہدے کی رو سے ان کو اپنا خاص نظام بنانے کی آزادی دی گئی، ان کی اپنی آزاد فوج تھی، جو معاہدے کی دفعات کے مطابق ان کے مذہب کی حفاظت کی غرض سے تشکیل دی گئی تھی۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ سنہ ۱۴۹۲ء میں تیار کردہ معاہدۂ غرناطہ اسپینی مسلمانوں کے حق میں آخری وثیقہ تھا، لیکن زمانہ بدلنے کے ساتھ اس پر دھول جمتی گئی اور اسپین کی سیاست نے نیا رخ اختیار کرلیا، جو صرف قومی وحدت تک ہی محدود نہیں رہی، بلکہ اس کا دائرہ مذہبی وحدت کو بھی محیط ہوگیا اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ایک نئی مہم شروع ہوئی، جس کی رو سے اندلس کی ساری انسانی آبادی کو ایک کیتھولک مذہب کی اکائی میں آنا تھا، حتی کہ اس کی بھی اجازت نہیں دی گئی کہ کوئی کیتھولک مذہب کے علاوہ دوسرا عیسائی مذہب اختیار کرے۔ ان حالات میں اس بات کو کیسے برداشت کیا جاسکتا تھا کہ کوئی

اسلام یا یہودیت پر قائم رہے۔

حکومت نے جگہ جگہ تحقیقاتی محکمے قائم کیے اور مسلمانوں کے حقوق سے متعلق طے پائے غرناطہ کے معاہدے توڑ دیے۔ جب موریسکیون نے غرناطہ میں اس گندی سیاست کے خلاف آواز اٹھائی تو حکومت کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ اس کے بجائے اس نے کیتھولک مذہب قبول کرانے کی اپنی مہم اور تیز کردی۔ اس کے نتیجہ میں ایک نئے طبقہ کا وجود عمل میں آیا، جو مظلوم مسلمانوں کا طبقہ تھا۔ ان پر نو عیسائی یا موریسکیون کی اصطلاح کا اطلاق ہوا۔

سنہ ۱۵۰۱ء سے غرناطہ میں ان موریسکیون کا وجود نئے مفہوم میں سامنے آیا۔ دوسرے سال قشتالہ اور لیون میں ان کو زبردستی عیسائی بنانے کی مہم اور تیز کی گئی، اس کے بعد سولہویں صدی کی دوسری دہائی سے اراجون کے مسلمانوں کو مجبور کیا گیا کہ وہ بھی کیتھولک مذہب قبول کرلیں۔

ان ساری مجبوریوں اور ظلم وستم کے باوجود عام طور پر یہ موریسکیون اپنے اسلامی عقیدے پر پورے اخلاص کے ساتھ قائم رہے، نیز اپنے دینی شعائر کو چھپ چھپ کر انجام دیتے رہے، جس کے نتیجہ میں تحقیقی محکموں کے سامنے انھیں آئے دن خطرات کا سامنا کرنا پڑتا تھا اور ان پر ظلم وجبر کے پہاڑ توڑے جاتے تھے۔ ان کی تمام سرگرمیوں پر حکومتی مشنریاں ہر وقت نظر رکھتی تھیں۔ پھر انھیں مجبور کیا گیا کہ وہ اپنی تمام دینی کتابیں حکومتی اداروں کے پاس جمع کروادیں۔ یہ مہم بھی چلائی گئی کہ وہ جمعہ کے دن اپنے گھروں کے دروازے کھلے رکھیں، تاکہ بہرصورت ان کی نگرانی کی جاسکے اور معلوم کیا جاسکے کہ کہیں وہ اس دن اپنے مذہبی رسوم تو ادا نہیں کررہے ہیں؟

اسی طرح انھیں اس بات پر بھی مجبور کیا گیا کہ وہ اپنے خاص حمّام استعمال کرنا چھوڑ دیں اور اسلامی طہارت سے باز رہیں، نیز عربی ثقافت کو ترک کرکے عیسائی ثقافت کو گلے لگائیں، عیسائی مذہب کے مطابق لباس زیب تن کریں، نماز روزے چھوڑ دیں اور خنزیر کا گوشت کھائیں۔ عورتوں کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ پردہ کریں، بلکہ بعض جگہوں پر تو ایسے واقعات پیش آئے کہ عیسائیوں نے پورے جبر وتشدد کے ساتھ ان لاچار عورتوں کو بے نقاب کیا، تاکہ عیسائی مذہب کے مطابق ان کی تربیت ہوسکے۔ مجموعی طور سے وہ اس بات پر مجبور

کیے گئے کہ اپنی زندگیوں کو مکمل طور پر تبدیل کرلیں اور اپنا تشخص ختم کردیں۔

لیکن قربان جایئے ان موریسکیون پر کہ ان ساری پریشانیوں، تنگیوں، نیز ظلم و جبر کے باوجود یہ پوری شدت کے ساتھ اسلام سے چمٹے رہے۔ یہ لوگ خفیہ طریقہ سے جمع ہوتے، تاکہ جماعت سے نماز ادا کرسکیں اور نیز دینی مسائل سے واقفیت حاصل کریں۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے مختلف تدابیر اور ذرائع استعمال کیے۔ پوشیدہ ادب (در پردہ خط و کتابت) ان میں سے ایک اہم ذریعہ تھا، جس نے ان کی دینی تعلیم اور ظلم کا مقابلہ کرنے میں کافی تعاون کیا۔ (اس کی تفصیل آگے رہی ہے)۔

جب پانی سر سے اونچا ہوگیا تو موریسکیون نے مختلف جگہوں پر بغاوت کردی، لیکن بہادری سے ڈٹے رہنے اور مقابلہ کرنے کے باوجود انھیں کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوئی، جس کی وجہ سے ان کے حالات اور بھی خراب ہوتے چلے گئے۔ سولہویں صدی عیسوی کی چھٹی دہائی سے ان کی ملک بدری کی مہم اور تیز کردی گئی، جس سے معاشرہ میں عیسائیوں اور مسلمان موریسکیون کے مابین بغض و عداوت کی آگ اتنی زیادہ بھڑک گئی کہ حکومتی اداروں نے اسلامی عناصر کو ان کی اصل سے اکھاڑ پھینکنے کی اپنی مہم مزید تیز کردی، اس طرح یہ جماعت اسپینی معاشرہ کا ایک بیکار جز بن کے رہ گئی۔ اس کا حتمی نتیجہ یہ نکلا کہ ۱۶۰۹-۱۶۱۰ء کے مابین انھیں مکمل طور پر اسپین سے جلاوطن کردیا گیا۔

ان مہاجر خاندانوں میں سے بیش تر نے مراکش کے علاقوں کا رخ کیا، جہاں اب تک ان کی نسلیں آباد ہیں۔ یہاں یہ ذکر کرنا ضروری ہے کہ ان کو اپنے وطن سے اس قدر جذباتی لگاؤ تھا کہ وہ مجبوری کی اس ہجرت کے باوجود اپنے اندر آبائی وطن کی طرف لوٹ جانے کی شدید خواہش رکھتے تھے، لیکن وہ کیا کرتے، وہ اپنی اس جلاوطنی پر مجبور تھے۔ بہرکیف اگرچہ موریسکیون کو جانی و مالی نقصان سہنا پڑا، نیز وہ جلاوطنی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہوئے، لیکن ان کے اسپین سے چلے جانے سے ملک کو سب سے زیادہ نقصان اٹھانا پڑا۔ پہلا نقصان تو یہ ہوا کہ ملک کو موثر کارکردگی والوں سے ہاتھ دھونا پڑا۔ یہ سب سے بڑا سبب تھا جس سے ملک میں سترہویں صدی میں خطرناک اقتصادی گراوٹ آئی، خاص کر ان علاقوں میں، جہاں جلاوطن

موریسکیون کی شرح آبادی زیادہ تھی۔ ان میں سرفہرست بلنسیہ آتا ہے، جہاں ان کی آبادی تینتیس (۳۳) فی صد تھی، پھر اراجون، جہاں ان کی آبادی بیس (۲۰) فی صد تھی۔

جب موریسکیون کی حتمی جلاوطنی شروع ہوئی اس وقت کی نسل کی ثقافتی حالت اس حد تک گر چکی تھی کہ وہ لوگ عربی زبان سے تقریباً نابلد ہو چکے تھے، لیکن ایسا لگتا ہے کہ بلنسیہ میں رہائش پذیر بعض خاندان ایسے بھی تھے جو عربی زبان پر قدرت رکھتے تھے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ اراجون کے موریسکی خاندان اپنے بچوں کو ان کے پاس عربی اور دینیات کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے بھیجتے تھے۔ اسی طرح جب انھیں کسی مسئلہ پر کچھ لکھنے کی ضرورت پیش آتی تو مجبوراً اسپینی زبان میں لکھنا پڑتا تھا۔

اس دور میں موریسکیون کے ذریعے ایک ادب پروان چڑھا جسے 'الخمیادی ادب' (La Literature Algamida) یعنی عجمی یا موریسکی ادب کا نام دیا گیا۔ دراصل یہ اصطلاح عربی کے لفظ 'اعجمی' سے مشتق ہے۔ یہی وہ زبان تھی جو اگرچہ اسپینی زبان میں لکھی جاتی تھی، لیکن اس میں عربی کا پورا پرتو ہوتا تھا۔ اسی زبان کو موریسکیون نے اپنی ادبی، ثقافتی اور دینی سرگرمیوں کے لیے سولہویں صدی تک اپنائے رکھا۔ ان مسلمانوں کو جب عیسائی بنانے اور ان پر ظلم کرنے کی مہم شروع ہوئی تو ان کے لیے ضروری ہوگیا کہ وہ بہت احتیاط برتیں اور اس زبان میں موجود اپنے علمی سرمایہ کو پوشیدہ رکھیں۔

یہاں یہ ذکر کرنا فائدہ سے خالی نہ ہوگا کہ یہ سارا علمی سرمایہ قلمی تھا، جس میں سے ایک کی بھی طباعت نہ ہوسکی تھی۔ اس کی صاف وجہ یہ تھی کہ یہ سارے قلمی نصوص چھپ چھپا کر لکھے گئے تھے اور انھیں موریسکیون نے حکومت کے خوف سے پوشیدہ جگہوں، جیسے غاروں، گھروں کے تہ خانوں، دیواروں، اور چھتوں کے مخصوص اندرونی حصوں میں چھپا رکھا تھا۔ یہ قلمی نسخے ان کی مکمل جلاوطنی کے بعد بھی اپنی جگہ سالہا سال تک پڑے رہے۔ کافی مدت کے بعد ان کو دریافت کیا گیا۔ ان میں سے ایک قلمی نسخہ اسکوریال لائبریری میں محفوظ ہے۔ اس پر درج ذیل عبارت منقوش ہے: ''سنہ ۱۷۹۵ء میں شہر De Agreda کے ایک مکان کے انہدام کے بعد اس کی دیواروں کے اندر سے دو عربی کتابیں برآمد ہوئیں، جن میں سے ایک کو مقامی

سرکاری افسر F.S. Jose Perez Caballero کے پاس بھیج دیا گیا، جب کہ خوش قسمتی سے دوسری میرے حصے میں آئی۔''

اس نوعیت کا سب سے بڑا ذخیرہ سنہ ۱۸۸۴ء میں سرقسطہ میں واقع Al Monacide de La Sirra میں ایک کتاب فروش کے پاس پایا گیا، جو ایک سو پچاس (۱۵۰) قلمی کتابوں پر مشتمل تھا۔ یہ سارا علمی خزانہ آج کل مدرید کی فیکلٹی آف اسلامک اسٹڈیز کی ملکیت ہے۔

ان قلمی کتابوں کی تدوین سولہویں صدی عیسوی یا پھر سترہویں صدی کی پہلی دہائی میں، یعنی اس وقت ہوئی تھی جب موریسکیون نہایت مظلومیت کی زندگی گزار رہے تھے، لہٰذا یہ تحریریں حکومت اور اس کے کارندوں کے خلاف اختیار کردہ وسائل میں سے ایک اہم وسیلہ تھیں۔ ان نصوص سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے مذکورہ صدیوں میں اسپین کے سرکاری مذہب کو نہ مانا، اس کے بجائے وہ اپنے آبائی دین پر پوری شدت کے ساتھ قائم رہے اور اپنے دینی تشخص کی ہر ممکن طریقے سے حفاظت کرتے رہے، لیکن ان بیچاروں کی بدقسمتی تھی کہ اسلام کی رسّی پوری مضبوطی سے تھامنے کے باوجود سیاسی اور اجتماعی دباؤ کی وجہ سے وہ بہت سی اسلامی عادات اور طریقوں کو چھوڑ چکے تھے۔ اس کا مضحکہ خیز پہلو یہ ہے کہ وہ سرکاری طور پر کیتھولک تھے، لیکن اندر سے مسلمان۔ یہ ان کے لیے ایک بہت ہی پریشان کن امر تھا۔ جب معاملہ حد سے گذر گیا تو ان کے علماء اور فقہاء نے انھیں اجازت دے دی کہ انھیں اپنے عقیدے اور مذہب کے اظہار کی ضرورت نہیں، اس کے بجائے وہ پردہ پوشی اختیار کرتے ہوئے سرکاری مذہب قبول کرنے کا دکھاوا جاری رکھیں اور خفیہ طریقہ سے اپنے اصلی دینی شعائر کو انجام دیں۔ اس وقت 'تقیہ' کی اصطلاح وضع ہوئی۔

اس طرح موریسکیون نے عیسائیوں کے ساتھ گھل مل کر زندگی گذارنی شروع کی، لیکن جلد ہی انھیں اس چیز کا ادراک ہوگیا کہ اگر انھوں نے کوئی اہم قدم نہیں اٹھایا تو عیسائی ثقافت ان کی اگلی نسلوں میں سرایت کر جائے گی اور اس نقالی کے نتیجہ میں ان کا اپنا دینی تشخص پوری طرح مجروح ہو کر رہ جائے گا، پھر وہ دن دور نہیں ہوگا جب وہ اور ان کی آنے والی نسلیں مکمل طور سے عیسائی ہو چکے ہوں گے۔

ان حالات میں الخمیادی ادب کی اہمیت مزید بڑھ گئی اور موریسکیون نے اپنے معاشرہ میں اسے مزید رواج دیا۔ اس مظلوم اقلیت کی مذہبی اور شرعی معلومات کی حفاظت میں اس ادب کا اہم کردار تھا۔ ان کے پاس یہی ایک راستہ تھا جس کے ذریعہ وہ مذہبی اور شرعی معلومات سیکھتے اور اسلامی شعائر سمجھتے تھے۔ اس طرح رفتہ رفتہ اس ادب میں مزید وسعت آتی گئی اور اس کا دائرہ دینی مسائل کے ساتھ عام واقعات اور موریسکیون کی خیالی دنیا، داستانوں اور لوک کہانیوں نیز دقیانوسی خیالات تک وسیع ہوتا چلا گیا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ موریسکی ادب کو اعلیٰ درجے کا ادب قرار نہیں دیا جاسکتا، لیکن اس کے باوجود اس کی ایک خاص اہمیت ہے۔ وہ یہ کہ اس کے ذریعہ ان چیزوں کے بارے میں اظہار خیال کیا گیا جو صرف مظلوم موریسکیون کی دینی، سیاسی اور معاشرتی زندگی سے متعلق تھیں۔

یہاں ہم ان قلمی نسخوں سے ایک موریسکی مصنف کے چند اقتباسات پیش کرتے ہیں، جن سے ان مسلمانوں کی دینی اور معاشرتی حالت پر روشنی پڑتی ہے، لیکن یہاں یہ ذکر کرنا مفید ہوگا کہ مصنف موریسکیون کے تفصیلی حالات بیان کرنے کے بجائے مختلف موضوعات کو پیش کرنے کے دوران ہی کوئی اہم تاریخی یا دینی موضوع کی طرف اشارہ کردیتا ہے، جیسا کہ درج ذیل نص میں بیان کیا گیا ہے:

> ''دنیا کے مالک نے طرطوشہ (Tortosa) کے دروازے پر ایک فرشتہ بھیجا ہے، جو متقی و پرہیزگاروں کو معافی عطا کررہا ہے۔ وہ خدا ہی ہے جو مارتا اور جلاتا ہے۔ اس سرزمین پر بسنے والے مسلمان مکہ میں رہنے والے مسلمانوں سے افضل واعلیٰ ہیں''۔

موریسکی مؤلف اس اقتباس میں یہ بیان کرنا چاہتا ہے کہ طرطوشہ میں رہنے والے مسلمان متقی و پرہیزگار ہیں، نیز اللہ تعالیٰ کے یہاں ان کا شفیع موجود ہے۔ وہ مزید یہ وضاحت کرتا ہے کہ مکہ میں رہنا آسان ہے، مگر اسپین کے حالات یہاں کے مسلمانوں کے لیے سازگار نہیں، اس کے باوجود وہ یہاں رہ رہے ہیں، لہٰذا وہ ایمان کے اعتبار سے مکہ میں رہنے والے

مسلمانوں سے افضل ہیں، بشرطے کہ وہ سپر نہ ڈالیں اور اپنے ایمان پر جمے رہیں۔

ان قلمی نصوص میں بہت سے مجموعے مکمل ہیں، جو روز مرہ کی زندگی پر تفصیل سے روشنی ڈالتے ہیں۔ کچھ مجموعے تجارتی، قانونی، شخصی نوعیت کی خط و کتابت پر مشتمل ہیں، جو شہر 'بون' میں ۱۹۶۵ء میں شائع کیے جا چکے ہیں۔ باوجود یہ کہ یہ تحریریں خالص ذاتی نوعیت کی ہیں اور عام معاشرے سے ان کا کوئی تعلق نہیں، لیکن پھر بھی یہ ہمارے لیے کافی مفید ہیں، کیوں کہ ان سے ہمیں محدود مادی زندگی کے متعلق کافی معلومات حاصل ہوتی ہیں۔

یہاں یہ سوال اٹھتا ہے کہ وہ کون سے موضوعات ہیں جو موریسکی ادب میں بیان کیے گئے ہیں؟ اس سوال کے جواب کے لیے ان موضوعات پر ایک سرسری نظر ڈالنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ یہاں یہ اشارہ فائدہ سے خالی نہ ہوگا کہ موریسکی ادب کے قلمی نسخے مختلف کتب خانوں میں موجود ہیں۔ ان میں سے بہت تھوڑے اجزاء چھپ کر منظر عام پر آسکے ہیں۔ (میرے لیے فخر کی بات ہے کہ میں نے ان میں سے کچھ قلمی نسخوں کو تحقیق کے ساتھ شائع کیا ہے)۔ اگر ان تمام قلمی نسخوں کو تحقیق کے ساتھ طبع کر دیا جائے تو مزید حقائق سے پردے اٹھیں گے اور جدید موضوعات سامنے آئیں گے۔ یہاں موضوعات کی تفصیل پیش کرنے کے بجائے صرف چند مثالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

کچھ قلمی نسخے ایسے ہیں جو ایک جیسے موضوعات بیان کرتے ہیں، جب کہ دوسرے نسخے مختلف موضوعات پر مشتمل ہیں۔ ان موضوعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بغیر منصوبہ بندی کے لکھے گئے ہیں۔ اسی قسم کے قلمی نسخے عام طور پر موریسکی ادب کی صحیح نمائندگی کرتے ہیں۔

آیئے قلمی نسخہ نمبر ۳ پر ایک نظر ڈالیں، جو مدرید کے مرکز دراسات عربی کی ملکیت ہے اور جو میرے شائع کردہ مواد کا سب سے اہم جزء ہے۔ یہ موریسکی ادب کے متنوع موضوعات پر مشتمل ہے، لہٰذا سب سے پہلے میں اسی کے نمونے پیش کرتا ہوں۔

یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ اس قلمی نسخے میں دینی و شرعی امور سے متعلق بہت سے موضوعات زیر بحث ہیں، مثلاً قرآن کی آیات، اس کی تفسیر، احادیث شریفہ اور اس کی توضیحات۔ کچھ نصوص ایسے بھی ہیں جو دینی فرائض و واجبات، مثلاً ارکان اربعہ کی تفصیلات پر

مشتمل ہیں۔ان موضوعات میں سب سے زیادہ ذکر طہارت کا آیا ہے اور جگہ جگہ اس کی طرف اشارے کیے گئے ہیں۔ مثلاً موریسکی مصنف رقم طراز ہے:

''اگر انسان کو مجبوری کی حالت میں زندہ خنزیر اٹھانا پڑے تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اس حالت میں نماز پڑھ لے،لیکن اگر اس نے مردہ خنزیر اٹھایا ہوتو نماز پڑھنا جائز نہیں، یعنی صرف زندہ خنزیر اٹھانے کی صورت میں نماز پڑھنے کی اجازت ہے۔''

اس فقرہ کا کیا مطلب ہے؟ عیسائیوں کے بڑے لوگوں کا یہ خیال تھا کہ موریسکی اعتماد کے قابل نہیں۔ چونکہ وہ سرکاری طور پر کیتھولک عیسائی ہو چکے تھے، لہٰذا ان کے لیے ضروری تھا کہ وہ اسلامی شعائر ترک کر دیں۔ یہ جاننے کے لیے وہ لوگ ان موریسکیوں کا مختلف طریقوں سے امتحان لیتے تھے اور انھیں مختلف گندے کام سونپتے تھے۔ اگر کسی موریسکی نے وہ کام کرنے سے انکار کیا تو اس کا شمار غدّاروں میں کیا جاتا تھا اور اسے بہت سخت حالات سے گزرنا پڑتا تھا۔اس لیے علماء کے درج بالا فتوے سے اس مسئلہ کا حل نکالا گیا۔

اسی طرح شراب نوشی کے حوالے سے درج ذیل عبارت ملاحظہ ہو:

''شراب بنانے کی نیت سے جو شخص انگور کی بیلیں لگائے وہ بھی ملعون اور جو شراب بنانے کے لیے اسے اٹھائے وہ بھی ملعون،اور جو شراب بنانے کے لیے انگور بیچے وہ بھی ملعون،اور جو شراب نچوڑے وہ بھی ملعون،اور جو پیے وہ بھی ملعون۔''

درج بالا عبارت میں ہم نے دیکھا کہ لکھنے والے نے شراب اور اس کے بنانے کے کسی بھی مرحلے سے چشم پوشی اختیار نہیں کی، بلکہ اس کے نزدیک شراب ہمیشہ اور ہر حال میں ملعون اور حرام ہے، پھر یہ نص بہت ہی خوب صورت جملے پر ختم ہوتی ہے۔عبارت یوں ہے:

''شراب جسم میں چالیس دن تک باقی رہتی ہے اور اگر اس مدت میں وہ شخص مرجائے تو اس کا شمار کافروں میں ہوگا''۔

روزہ اور زکوٰۃ وصدقات کے متعلق بھی تفصیلی ذکر آیا ہے اور مصنف ان کو مکمل شرح وتفصیل سے بیان کرتا ہے۔ اس کے علاوہ کئی کئی صفحات میں وراثت کی تقسیم کو تفصیل سے بیان

کیا گیا ہے۔ یہاں اس کی ایک چھوٹی سی مثال پیش کی جاتی ہے:

''میں جانتا ہوں کہ ترکہ کیسے تقسیم کرنا ہے۔ اگر تمھارا پڑوسی مرجائے تو تمہارے اوپر واجب ہے کہ اس کی زمین و جائداد اس کے ورثہ میں تقسیم کرو اور اس حوالے سے معلومات حاصل کرو''۔

اسی طرح کچھ نصوص عام اخلاقیات، معاشرتی تعلقات، پرسنل لا، قرض کے لین دین اور اس کی شروط، عید اور تہواروں کو تفصیل سے بیان کرتی ہیں، تو کچھ دوسری نصوص کفن دفن کے طور طریقوں کی وضاحت کرتی ہیں۔ بعض نصوص میں ان کے درمیان رائج تعویذ گنڈوں کا بھی تفصیلی ذکر ملتا ہے۔

موریسکیون کا اعتقاد تھا کہ انھیں ایک نہ ایک دن مرنا ہے اور دوسری دنیا میں اللہ تعالیٰ کے روٗ برو حاضر ہونا ہے، لہٰذا کائنات کی تخلیق اور قیامت کے حوالے سے بھی بہت سے موضوعات ان قلمی نسخوں میں کثرت سے آئے ہیں۔ مثلاً موریسکی مصنف رقم طراز ہے:

''اللہ تعالیٰ تمھیں زندگی بخشے، جو اس پر قادر ہے۔ وہ اللہ ہی ہے جس کے پاس ہر چیز کا علم ہے۔ جب اللہ نے فرشتہ کو یہ حکم دے کر بھیجا کہ جاؤ اور مرد اور عورت کے نطفہ کا ایک قطرہ لاؤ اور میرے سامنے رکھو۔ فرشتہ نے کہا: یارب تو اس قطرے سے کیا بنانا چاہتا ہے؟ کیا وہ مخلوق مرد ہوگا یا عورت؟ اللہ نے فرمایا: جو میں چاہتا ہوں وہ ہو جائے گا۔ فرشتہ نے پھر کہا: کیا یہ مخلوق بھلا انسان ہوگا یا برا، فقیر ہوگا یا مال دار، کم زور ہوگا یا طاقت ور، دنیا میں سست اور کاہل بن کر رہے گا یا چست اور پھرتیلا اور کیا اس کا ٹھکانا جنت ہوگی یا اسے دوزخ میں ڈھکیلا جائے گا؟ اللہ نے فرمایا: اے میرے فرشتے! یہ اور ساری چیزیں میرے ارادے کے مطابق ہوں گی، میں اللہ ہوں، جو پیدا کرتے وقت ہر چیز پر قادر ہوتا ہے، چاہے اچھا ہو یا برا۔ پھر اللہ فرشتہ سے فرمائے گا: ایک مٹھی مٹی لو، جہاں سے تم مٹی لوگے وہیں اس مخلوق کی قبر ہوگی اور وہیں وہ دفنایا جائے گا۔''

موریسکیون کی تصنیفات میں ابتدائی اسلامی تاریخی شخصیات کا ذکر کافی تفصیل سے آیا ہے، مثلاً حضور ﷺ، امہات مومنین، خلفاء راشدین وغیرہ۔ اس کے علاوہ قرآن میں مذکور

انبیاء کی سیرتوں کا بھی ذکر آیا ہے۔مخلوقِ اول یعنی آدم وحوا کی تخلیق کا پورا واقعہ بیان کیا گیا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی کا واقعہ بھی مذکور ہے۔ جہاں تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تعلق ہے تو ان کا ذکر ان کی تقریباً ہر تصنیف میں متعدد بار کیا گیا ہے۔

موریسکی مصنفین اپنی تحریروں میں جن موضوعات کو پیش کرتے ہیں ان میں کافی تنوع پایا جاتا ہے۔ ان موضوعات کو وہ کبھی اجمالی طور پر بیان کرتے ہیں تو کبھی تفصیل کے ساتھ، کبھی قصے میں موجود شخصیات کی زندگی پر تفصیل سے روشنی ڈالتے ہیں تو کبھی پورا قصہ کسی ماورائی شخصیت کے اردگرد گھومتا ہے۔

ان قلمی نسخوں میں کچھ ایسے موضوعات کا بھی احاطہ کیا گیا ہے جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ ان کا تعلق اس دور کے یورپی ادب سے ہے، جیسے پیرس یا فیینا میں 'محبت کی تاریخ'۔ اس طرح کے قصوں اور ناولوں کا موریسکیون کی تصنیفات میں پایا جانا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اپنے آس پاس کے عام وخاص اسپینی عیسائی ادب وثقافت سے باخبر تھے، جو اسلامی عیسائی دنیا کے مابین آپسی اتحاد کی بھی دلیل ہے۔

ان قلمی نسخوں میں بہت سی نصوص کا تعلق تصوف سے ہے۔ اس لیے کہ اس دور میں تصوف پورے اسپین میں پھیلا ہوا تھا۔ یہاں یہ ذکر کرنا مفید ہوگا کہ اسپین کے تصوف میں اگر کچھ اثرات مشرق کے تھے تو کچھ اثرات عیسائی تصوف کے بھی پائے جاتے تھے، جس کی ایک جھلک درج ذیل قصہ میں صاف نظر آتی ہے:

> ''حضرت ذوالنون المصری بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دن مکہ میں بیٹھا ہوا تھا۔ میرے سامنے ایک مجذوب بھی بیٹھا ہوا تھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ اس کے پاس ایک شخص آیا اور چاندی کے سکوں سے بھری ایک تھیلی اس کے سامنے رکھ دی۔ مجذوب نے اس شخص سے کہا: اس پر میرا کوئی حق نہیں، اس کو یہاں سے اٹھاؤ اور فقراء ومساکین میں تقسیم کردو۔ جب شام ہوئی تو اس مجذوب کو ندی کے پاس دیکھا گیا کہ وہ کھانے کی کوئی چیز تلاش کررہا ہے۔ اس سے کہا گیا کہ اگر تم کچھ درہم لے لیتے تو تمھیں یہاں کھانے کی چیز تلاش کرنے کی

ضرورت نہ پیش آتی۔ مجذوب نے جواب دیا: مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ میں اس وقت تک زندہ رہوں گا'۔

آیئے اب ہم ان قصائد کا تذکرہ کریں جو رسول اللہ ﷺ کی مدح میں پیش کیے گئے ہیں۔ ایک موریسکی شاعر کہتا ہے:

''اے پروردگار! ہمیں معلوم ہے کہ صبح و شام نہیں ہوتی
روشنی، تاریکی نہیں ہوتی،
فتح و کامرانی نہیں ہوتی،
مگر تیرے حکم سے اور محمد ﷺ کے فضل سے''۔

''اے ہمارے محبوب، اے محمد ﷺ!
جنت و جہنم کی کوئی تاثیر نہیں،
عرش و کرسی میں کوئی حرکت نہیں،
آسمان و زمین کھولے نہیں جاتے،
مگر آپ کی محبت اور آپ کے صدقے میں''

موریسکی ادب میں بعض مخصوص نمازوں اور دعاؤں کا بھی جابہ جا ذکر ملتا ہے، مثلاً ایک قلمی نسخہ میں قحط سالی کے وقت بارش کی یہ دعا ملتی ہے:

''اے اللہ! ہمارے دعائیں سن لے، ہمارے گناہ معاف کر اور ہماری حاجت روائی کر۔ اے پروردگار! ہمیں پانی عطا کر۔ اے ہمارے مولا، اے اللہ! تجھے تیری عزت و جلال کا واسطہ، ہمارے گناہوں کو معاف کر دے اور ہمیں عطا کر، ہماری دعائیں سن لے اور ہمیں پانی عطا کر''۔

کچھ قلمی نسخے مذہبی بحث و مباحثہ پر مشتمل ہیں۔ ان میں عقیدے سے متعلق مسلمانوں، عیسائیوں اور یہودیوں کے مابین واقع مباحثے تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں۔ کچھ کتابیں رسول اللہ ﷺ کے نسب سے متعلق ہے، جو حضرت آدم سے شروع ہو کر آپؐ پر ختم ہوتا ہے۔ اس زمرے میں سب سے اہم نسخہ وہ ہے جس کا نام 'کتاب الانوار' ہے۔ اس کے اہم موضوعات میں 'نور الٰہی' کا موضوع سب سے اہم ہے۔ اس کے متعلق ان موریسکیون کا یہ

اعتقاد تھا کہ وہ باپوں سے بیٹوں میں ماؤں کے ذریعہ منتقل ہوتا ہے، لیکن اس کی کرنیں محمد (ﷺ) کے نور سے آتی ہیں جو اس سلسلے کی سب سے آخری اور اہم کڑی ہے۔

کچھ نصوص ایسی بھی ہیں جن میں خاص طور سے طب پر سیر حاصل بحثیں کی گئی ہیں اور عام طبّی علاج سے گھریلو علاج تک کے موضوعات تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔ دوسرے کئی قلمی نسخوں میں ان کے تانے بانے جادو اور ٹونے ٹوٹکے سے جا ملتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہم ان موریسکیون کو بیماریوں کے علاج میں فلکیات اور علم تنجیم پر بھی بھروسہ کرتے ہوئے پاتے ہیں۔ مزید آگے بڑھتے ہیں تو وہ تعویذ گنڈوں کے جال میں بندھے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، جو ان کی اخلاقی پستی اور اعتقادی زبوں حالی کے آئینہ دار ہیں۔ ان کا اعتقاد تھا کہ قرآنی آیات اور جادو ٹونے سے ہر علاج ممکن ہے، چاہے وہ بخار کھانسی ہو یا کسی طرح کی نحوست، حتی کہ اگر کسی مرض کی وجہ سے نیند نہ آ رہی ہو تو اس علاج سے نیند آنے لگے گی، نیز اس کے ذریعہ عورتوں کا بانجھ پن بھی دور کیا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک طریقۂ علاج ملاحظہ ہو:

> ''کسی شخص کے ہونٹ جلتے ہوں تو اس کا علاج یہ ہے: کاغذ کا ایک ٹکڑا لیں اور اس کے ایک کنارے سورۃ القدر کی آیت (اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِی لَیْلَةِ الْقَدْرِ) لکھیں، پھر مریض اس کی طرف دیکھے، لیکن اس کے سامنے آگ کا الاؤ بھی ہو، نیز صبح و شام ایک ایک جائفل کھائے اور جب سینے کی طرف دیکھے تو ایک جائفل منھ میں رکھ لے، ہر جائفل پر لفظ ''مجلا میش'' (یارب، جو سارے عالم پر قدرت رکھتا ہے، مجھے مت چھوڑ) کندہ کرے۔ اس طرح ان شاء اللہ شفا پا جائے گا''۔

اس طرح کے اعتقادات سے صاف ظاہر ہے کہ ان کی عام سماجی اور اخلاقی حالت تیزی کے ساتھ زوال پذیر ہو چکی تھی، نیز علماء کی بے راہ روی اور علم سے ان کی بیگانگی کی وجہ سے ان کے معاشرے میں تعویذ گنڈوں پر بے جا اعتقاد اور جادو ٹونے سے سہارا لینے کی روش عام ہو چکی تھی، جو کسی مضبوط معاشرہ یا محکم اخلاقی نظام میں عام نہیں ہو سکتی تھی، لیکن اس کی وجہ یہ مظلوم قوم خود نہیں، بلکہ عیسائی حکومت کا وہ قہر و جبر تھا، جس کی وجہ سے نہ ان کی دینی تعلیم و تربیت صحیح ڈھنگ سے ہو سکی اور نہ انھیں دنیوی تعلیم حاصل کرنے کا موقع میسر ہو سکا۔ ☆☆☆

نقد و استدراک

کیا مکی عہد کی ابتدا میں دعوت خفیہ تھی؟

——— جناب سید حامد عبدالرحمٰن الکاف

سہ ماہی تحقیقات اسلامی، اپریل- جون ۲۰۱۳ء میں ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی کے قلم سے 'دارِارقم - اوّلین مرکزِ دعوت' کے زیرعنوان معلوماتی مقالہ نظر سے گزرا۔ مقالہ نگار خوب لکھے جا رہے تھے، مگر 'ایک مختلف نقطۂ نظر' (ص۸۱) سے بات کچھ اور ہی ہوگئی۔ وہ اس لیے کہ یہاں سے بحث یوں چل نکلی کہ کیا اس عرصے میں (تین، ساڑھے تین سال کے ابتدائی عرصے میں) دعوت خفیہ تھی یا علانیہ؟ یہ ایک فطری نتیجہ تھا جو بار بار لفظ 'خفیہ' کے استعمال سے برآمد ہوا، مثلاً 'مکی عہد کی ابتداء میں ایک خفیہ مرکز کی ضرورت' (ص۶۶) 'دارِ ارقم کو خفیہ رکھنے کی کوششیں'۔ (ص۷۰) ☆

حقیقت کیا ہے؟

حقیقت صرف اور صرف یہ ہے کہ یہ کوئی زیرِ زمین (Underground) تحریک نہیں تھی، بلکہ اس کا زمین کے اوپر اور وہ بھی پہاڑ پر ہونا اس کے فوق الارض (زمین کے اوپر) (Overground/Overland) ہونے اور رہنے کی ایک ناقابلِ تردید دلیل ہے۔ آج کی تخریب پسند زیرِ زمین تحریکوں کی وجہ سے 'خفیہ' کے ساتھ ہی ذہن زیرِ زمین کی طرف منتقل

☆ راقم نے اپنے مقالہ میں 'خفیہ' کا لفظ 'زیرِ زمین' (Underground) کے معنیٰ میں نہیں استعمال کیا ہے، بلکہ اس کا استعمال 'علانیہ' کے بالمقابل ہوا ہے اور اس سے کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا کہ رسول اللہ ﷺ نے مکی عہد کی ابتدا میں علانیہ دعوت نہیں دی تھی، بلکہ رازداری کے ساتھ، خاموشی سے، انفرادی طور پر دعوت و تبلیغ کا کام انجام دیا تھا اور ایمان لانے والے صحابہ کرام نے بھی رازداری کو ملحوظ رکھا تھا۔ (رضی الاسلام)

ہوجاتا ہے، جب کہ آپؐ نہ کبھی زیرِ زمین کہیں روپوش ہوگئے تھے اور نہ وہاں سے کوئی 'خفیہ' تحریک چلا رہے تھے۔ غارِ حرا سے نکلنے کے بعد آپؐ ہمیشہ لوگوں کے درمیان ہی رہے۔ یہ ایک قابلِ غور پہلو ہے۔

مکی دور کے ابتدائی زمانے میں حکمتِ تبلیغ

مکی دور کے ابتدائی زمانے میں حکمتِ تبلیغ اس بات سے عبارت تھی کہ رسول اللہ ﷺ کی نظر میں جو ارواحِ سعیدہ تھیں ان کو خاموشی سے دعوتِ توحید دی جاتی اور جب وہ حضرات حلقہ بگوش اسلام ہوجاتے تو ان سے کہا جاتا کہ اس دعوت کو اپنی ذات تک محدود رکھیں اور اس وقت تک اس کو کسی اور شخص تک نہ پہنچائیں جب تک خود ان کی اپنی تربیت عقائد، عبادات، اخلاق اور اجتماعی پہلو سے ایک خاص حد تک نہ پہنچ جائے اور جب تک خود حالات اس بات کی اجازت نہ دیں کہ اس کو دوسروں تک پہنچایا جائے۔

گویا اس مرحلے میں چیدہ اور منتخب (Selected) افراد تک دعوت پہنچانا مقصود تھا اور بس۔

دارِارقم کی حاجت کیوں؟

جب ان ارواحِ سعیدہ کی تعداد اچھی خاصی ہوگئی تو سوال اجتماعی عبادت-نماز-قائم کرنے کا تھا اور ساتھ ہی عقائد، عبادات اور اسالیبِ تبلیغ کی تربیت بھی دینی تھی، تاکہ یہ حضرات مستقبل قریب میں حکیمانہ تبلیغ کے نمونے بن کر اپنے اپنے حلقۂ احباب میں دعوت کا کام پوری سرگرمی اور اعتماد کے ساتھ انجام دے سکیں۔

اسی لیے سیدنا حضرت محمد ﷺ بہ ذاتِ خود وہاں تشریف فرما ہوا کرتے تھے، تاکہ یہ سب کام آپ کی شخصی نگرانی اور سرپرستی میں بہ حسن وخوبی انجام پاسکیں۔

یہ اسلوبِ دعوت کیوں اختیار کیا گیا؟

اس کی وجہ یہ تھی کہ دعوتِ اسلامی کے ابتدائی مرحلے میں چند سنجیدہ جاں نثاروں کو بہ حیثیت داعیان اور کارکنانِ دعوت تیار کرلینے کی ضرورت تھی، تاکہ یہ دعوت مکہ مکرمہ کے

سارے ہی بڑے بڑے قبیلوں اور خاندانوں میں پھیل جائے اور جب علانیہ دعوت دی جائے تو عام لوگوں کو معلوم ہوجائے کہ یہ دعوت مکہ کے طول وعرض میں اور ہر قبیلے اور خاندان میں سرایت کرگئی ہے اور اس زمین میں جڑ پکڑ چکی ہے۔ اگر پہلے ہی دن سے علانیہ دعوت دی جاتی تو چند ایک افراد سے نمٹنا کفارِ مکہ کے لیے بہت آسان ہوتا۔

بعض غور طلب امور

سورۂ مزّمّل داعیٔ اوّل حضرت محمد ﷺ کو بتاتی ہے کہ وہ وقتِ سحر تہجد کی نماز پڑھیں اور اس میں ٹھہر ٹھہر کر تلاوتِ قرآن فرمائیں۔ اس طرح اپنے آپ کو دعوت کی عظیم ذمہ داری کے لیے تیار کریں، اس لیے کہ دن میں بہر حال آپ کو دوڑ دھوپ کرتے رہنا ہے۔ پھر اسی سورت میں آگے چل کر آپؐ کے چند ساتھیوں (طائفة) کے آدھی رات، ایک تہائی رات یا دو تہائی رات سے کچھ کم عبادت میں کھڑے رہنے کا ذکر آیا ہے۔ گویا یہ رات کی تربیت آہستہ آہستہ ایک اجتماعی تربیت میں تبدیل ہوگئی تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کو دن کی اجتماعی تربیت خصوصاً نماز با جماعت کے لیے بھی استعمال کیا گیا، جس کے لیے ایک ایسی تربیت گاہ کی ضرورت تھی جو سنسان جگہ واقع ہو اور جہاں لوگوں کی آمد و رفت عام لوگوں کی نظروں میں نہ کھٹکتی ہو۔

اس میں نہ تو خوف کا عنصر شامل تھا اور نہ خواہ مخواہ روزِ اوّل سے دشمنی کی فضا پیدا کر لینے کی خواہش کارفرما تھی۔ یہ بات بھی کہی جاسکتی ہے کہ یہ دعوت سیدنا نوح علیہ السلام کی اس دعوت کے طرز پر تھی جس کا ذکر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اس طرح فرمایا ہے:

ثُمَّ إِنِّیْ أَعْلَنتُ لَهُمْ وَأَسْرَرْتُ لَهُمْ إِسْرَاراً۔ (نوح:۹)

''پھر میں نے علانیہ بھی تبلیغ کی اور چپکے چپکے بھی سمجھایا۔''

غور کیجیے۔ یہاں 'اعلان' کے مقابلے میں 'چپکے چپکے' نہایت دقیق اور بلیغ ترجمہ ہے۔ یہ ایک دوسرے کی وضاحت کرتے ہیں۔ اس سے پہلے کی آیت (نوح:۸) میں بڑی اونچی آواز (جھاراً) میں دعوت کا ذکر فرمایا۔ گویا دعوت کے لیے تین قسم کی آوازیں سیدنا نوحؑ

نے اختیار فرمائیں: بڑی اونچی آواز، اعلان کی معروف متوسط آواز اور دھیمی آواز، جو کسی خاص شخص سے گفتگو کے لیے اختیار کی جاتی ہے۔ یہاں 'سرّ' کے معنیٰ دھیمی آواز میں بات کرنا ہے، نہ کہ خفیہ بات چیت کرنا۔ اسی معنیٰ میں لفظ 'اَسَرّ' سورۂ محمد کی آیت نمبر (۲۶) اور سورۃ التحریم کی آیت نمبر (۳) میں استعمال ہوا ہے۔

خلاصۂ کلام

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ مکہ مکرمہ کے ابتدائی مرحلے میں دعوتِ اسلامی ایک علانیہ دعوت تھی۔ اس کو خفیہ کہنا حقیقتِ نفس الامری کے خلاف ہے۔ یوں بھی اس دعوت کو آپ خفیہ کیسے کہہ سکتے ہیں جس پر ایمان لانے والوں کی تعداد دس سے زیادہ ہوچکی ہو اور جو سب کے سب اپنے اپنے گھروں میں اور اپنے پڑوس میں معمول کی زندگی گزار رہے ہوں؟

سب جانتے ہیں کہ خفیہ اور زیرِ زمین تحریکوں کے لیڈر اور کارکن جنگلوں اور پہاڑوں میں آبادیوں سے دور اور اپنے گھروں اور خاندانوں سے کٹ کر زندگی گزارتے ہیں۔

امید ہے کہ اس موضوع پر یہ وضاحت کافی سمجھی جائے گی۔

☆☆☆

تحقیقاتِ اسلامی کی قدیم جلدیں موجود ہیں

تحقیقاتِ اسلامی کے قدیم شماروں کا مختلف افراد، لائبریریاں اور ادارے برابر تقاضا کرتے رہتے ہیں۔ اس سلسلے میں عرض ہے کہ قدیم شمارے ۲۰۰۵ء سے اب تک محدود تعداد میں موجود ہیں۔ ان کی سال بہ سال جلد بندی بھی کرالی گئی ہے۔ خواہش مند حضرات ادارہ سے رابطہ کرکے انھیں حاصل کرسکتے ہیں۔

قیمت فی جلد ۱۸۰/روپے، ڈاک خرچ بذمہ ادارہ

(منیجر، تحقیقاتِ اسلامی)

تعارف وتبصرہ

شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی قرآنی خدمات مرتبین: پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی
پروفیسر ظفر الاسلام اصلاحی

ناشر: ادارۂ علوم اسلامیہ، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، سن اشاعت ۲۰۱۳ء، صفحات: ۲۹۲، قیمت: ۲۰۰ روپے

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ برصغیر ہند کے ان علماء کرام میں سے ہیں جن کے دینی، علمی، تحقیقی، فکری، اصلاحی اور تجدیدی کارناموں کے اثرات ملت کے تمام طبقوں پر مرتب ہوئے۔ تفسیر، حدیث، فقہ، کلام اور علم اسرار دین میں ان کی انفرادیت سبھی یکساں طور پر تسلیم کرتے ہیں۔ شاہ صاحب کی متنوع خدمات اور کارناموں میں سب سے نمایاں اور ممتاز کارنامہ قرآن مجید اور اس کے علوم ومعارف کی ترویج واشاعت ہے۔ انھوں نے قرآن مجید کے ترجمہ، تشیہ اور تفسیر کی خدمت انجام دی، جس کی وجہ سے ہندوستان میں فہم قرآن کے دروازے کھلے اور بعد میں اردو اور دوسری مقامی زبانوں میں قرآن مجید کے ترجمے ہوئے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی قرآنی خدمات کی وقعت اور اہمیت کے پیش نظر شعبہ اسلامک اسٹڈیز، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی کے زیر اہتمام 'شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی قرآنی خدمات' کے موضوع پر دو روزہ سیمینار ۵-۶ دسمبر ۲۰۰۳ء میں منعقد ہوا، جس میں موقر علماء اور دانش وروں کو شاہ صاحب کی قرآنی خدمات کو اجاگر کرنے کی دعوت دی گئی۔ زیر تبصرہ کتاب اس سیمینار میں پیش کردہ مقالات کا مجموعہ ہے۔ یہ بیس مقالات پر مشتمل ہے۔ ان کے عناوین درج ذیل ہیں: مقدمہ فتح الرحمٰن بترجمۃ القرآن کا تجزیاتی مطالعہ، الفوز الکبیر فی اصول التفسیر- ایک مطالعہ، فتح الخبیر بمالابدّ من حفظہ فی علم التفسیر- ایک مطالعہ، تفسیر قرآن میں اسباب نزول کا مقام، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور ناسخ ومنسوخ، شاہ ولی اللہ دہلوی اور حروف مقطعات، فتح الرحمان کے امتیازات- فقہی تشریحات کے حوالے سے، شاہ ولی اللہ کی فقہی تحریروں میں قرآنی استدلال، فقہ اسلامی سے متعلق چند قرآنی اصطلاحات اور حضرت شاہ ولی اللہ، قرآن مجید اور ولی اللّٰہی تصوف، شاہ ولی اللہ کا نظریۂ ارتفاقات اور قرآنی منہاجیات،

ازالۃ الخفاء کے قرآنی مباحث، سیاسی فکر ولی اللّٰہی کی قرآنی بنیادیں، شاہ ولی اللہ کے رسائل میں قرآنی فکر، شاہ ولی اللہ کی فارسی میں قرآنی خدمات، شاہ ولی اللہ کی قرآنی بصیرت، ہندوستان میں قرآن کی عوامی مقبولیت اور شاہ صاحب کی خدمات، شاہ ولی اللہ کی حکمت قرآن- مولانا عبیداللہ سندھی کے افکار کا مطالعہ، شاہ ولی اللہ کا تصورِ سعادت اور قرآن۔ مقالات کی فہرست پر ایک نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کی قرآنی خدمات کا دائرہ کتنا وسیع ہے اور فاضل مقالہ نگاروں نے ان تمام پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی عمدہ کوشش کی ہے۔

شعبۂ اسلامک اسٹڈیز علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی نے حضرت شاہ صاحب کی خدمات اور افکار پر تحقیقی کام کے لیے ایک ریسرچ سیل قائم کیا ہے۔ اس سلسلے میں ایک عشرہ سے زیادہ عرصہ میں متعدد مذاکرے، سیمینار اور مباحثے منعقد کیے گئے اور متعدد کتابیں طبع ہوئی ہیں۔ یہ مجموعہ بھی شاہ صاحب کے علمی وتجدیدی کارناموں اور خدمات کو آئندہ نسل تک منتقل کرنے کی کامیاب کوشش ہے۔ فاضل مرتبین اس وقیع خدمت کے لیے مبارک باد کے مستحق ہیں۔ **(محمد جرجیس کریمی)**

معرکۂ اسلام و جاہلیت

مولانا صدر الدین اصلاحی

اسلام کی بصیرت افروز آگہی کے لیے جاہلیت سے واقفیت ناگزیر ہے۔

☆عقائد، عبادت، اخلاقیات اور زندگی کے تمام معاملات میں جاہلیت اور اسلام کے درمیان اصولی فرق کیا ہے؟

☆دونوں کے درمیان فطری اور مسلسل کش مکش کا انداز کیا ہے؟

☆جاہل عناصر کس طرح اسلامی تصورات میں اپنی جگہ بنا لیتے ہیں؟

ان اہم پہلوؤں پر اس کتاب میں سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ مصنف کے گہر بار قلم نے موضوع کا حق ادا کر دیا ہے۔ صفحات: ۲۱۶ قیمت: -/۸۵ روپئے

اس کتاب کا انگریزی ترجمہ ڈاکٹر اسرار احمد خان نے انتہائی معاری اور دلکش اسلوب میں Islamic Civilization in its Real Prespective کے نام سے کیا ہے۔

آفسیٹ کی عمدہ طباعت صفحات: ۱۳۷ قیمت: -/۹۰ روپئے

ملنے کے پتے : ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی، پوسٹ بکس نمبر-۹۳ علی گڑھ-۲
مرکزی مکتبہ اسلامی پبلیشرز، دعوت نگر ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی-۲۵

خبر نامہ ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی (۴۹)

☆ صدر ادارۂ تحقیق اور امیر جماعت اسلامی ہند مولانا سید جلال الدین عمری کی تصنیف 'غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے حقوق' موجودہ حالات کے پس منظر میں غیر معمولی اہمیت کی حامل ہے۔ اس کے دو ایڈیشن ادارۂ تحقیق سے شائع ہوئے تھے، پھر مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز سے بھی اس کی اشاعت عمل میں آئی تھی۔ اب مصنف کی نظر ثانی اور بعض اضافوں کے ساتھ اس کا چوتھا ایڈیشن طبع ہوا ہے۔ صفحات: ۳۲۰، قیمت -/۱۸۵ روپے (مجلد)۔

☆ مولانا عمری کی حسب ذیل دو تصانیف کے نئے ایڈیشن حال میں منظر عام پر آئے ہیں:

۱- عورت اسلامی معاشرہ میں (۱۵/واں ایڈیشن) صفحات: ۴۳۲، قیمت -/۱۸۰/ روپے۔

۲- مسلمان عورت کے حقوق اور ان پر اعتراضات کا جائزہ (۸/واں ایڈیشن) صفحات: ۲۴۰، قیمت -/۱۰۰/روپے۔

☆ مولانا کی کتاب 'غیر اسلامی ریاست اور مسلمان' موجودہ دور کے ایک اہم مسئلے سے بحث کرتی ہے۔ اسلامک فاؤنڈیشن ٹرسٹ (چنئی) نے بڑے اہتمام اور سلیقہ سے اس کا تمل ترجمہ شائع کیا ہے۔ صفحات: ۱۲۸، قیمت -/۶۰ روپے۔

☆ مولانا کے کتابچہ 'قرآن کا نظامِ خاندان' کا انگریزی ترجمہ Family System in the Holy Quran کے نام سے طبع کرکے جماعت اسلامی ہند حلقہ کرناٹک نے 'مثالی خاندان' کے عنوان سے اپنی ریاست گیر مہم کے دوران بڑے پیمانے پر تقسیم کیا تھا۔ اب مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز سے بھی اس کی اشاعت ہوگئی ہے۔ صفحات: ۳۶، قیمت -/۲۳ روپے۔

☆ ادارہ کا شعبۂ علمی الحمد للہ پوری طرح سرگرمِ عمل ہے۔ اس کے تحت دو افراد پہلے سے کام کر رہے تھے۔ حال میں تیسرے محقق (مولانا کمال اختر قاسمی) کا اضافہ ہوا ہے۔

☆ نئی نسل کی علمی وفکری نشو ونما کے مقصد سے ادارہ میں تصنیفی تربیت کا دو سالہ کورس عرصہ سے جاری ہے۔ اگست ۲۰۱۳ء میں چار نئے طلبہ نے اس میں داخلہ لیا ہے۔

☆ ادارہ کے سلسلۂ توسیعی خطبات کے تحت ۲۹ ستمبر ۲۰۱۳ء کو پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی، سابق ڈائرکٹر انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز، مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ نے 'عصر حاضر میں امت کے اختلافی مسائل اور ان کا تدارک' کے موضوع پر خطبہ دیا۔ اس پروگرام کی صدارت پروفیسر سید احتشام احمد ندوی، سابق ڈین فیکلٹی آف آرٹس، کیرلا یونی ورسٹی نے فرمائی۔ خطبہ

کے بعد حاضرین مجلس نے مباحثہ میں حصہ لیا اور بعض امور پر اظہار خیال کیا۔

☆ اسٹوڈینٹس اسلامک ٹرسٹ (SIT) کی جانب سے اسلامک ڈیولپمنٹ بینک جدہ (IDB) کے تعاون سے عصری تعلیم حاصل کرنے والے مسلم طلبہ وطالبات کے لیے اسکالرشپ فراہم کرنے کا سلسلہ عرصے سے جاری ہے۔ اسکالرشپ کے امیدوار طلبہ کا ایک سہ روزہ ورک شاپ ۱۳-۱۵/ستمبر ۲۰۱۳ء کو البرکات ہائر سیکنڈری اسکول علی گڑھ میں منعقد ہوا۔ اس میں رکن ادارہ مولانا محمد جرجیس کریمی نے بہ حیثیت 'ریسورس پرسن' شرکت کی اور 'صحابہ کرام- امت کے لیے اسوہ' کے موضوع پر خطاب کیا۔

☆ اس سے پہلے خبر دی جا چکی ہے کہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ لائبریری، ادارۂ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی اسلام آباد کے لائبریرین جناب عبدالرؤف صاحب نے مجلّہ 'تحقیقات اسلامی' کے سو شماروں (۱۹۸۲-۲۰۰۶ء) کا Digital Collection تیار کیا تھا۔ اب اسے انھوں نے Update کرکے اب تک (۲۰۱۳ء) کے تمام شماروں کو اس میں شامل کردیا ہے۔ اس طرح محققین اور علمی کام کرنے والوں کے لیے اس سے استفادہ آسان ہوگیا ہے۔ اس اہم علمی خدمت پر ادارہ موصوف کا شکر گزار ہے۔ اللہ تعالیٰ انھیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ اسے tahqeeqate.blogspot.in پر Visit کیا جاسکتا ہے۔

☆ مجلّات کی فہرست سازی کا ایک بین الاقوامی ادارہ قائم ہے جس کا صدر دفتر فرانس میں ہے اور دنیا کے ہر ملک میں اس کی شاخیں موجود ہیں۔ اس ادارہ کی جانب سے مجلّات کے رجسٹریشن کے بعد ایک نمبر جاری کیا جاتا ہے۔ الحمدللہ تحقیقات اسلامی کے لیے انٹرنیشنل سیریل نمبر حاصل کرلیا گیا ہے، جو یہ ہے: ISSN 2321-8339

☆ طے کیا گیا ہے کہ ان شاءاللہ تحقیقات اسلامی کے اگلے شمارے سے اس کے مقالات کا انگریزی خلاصہ بھی اس میں شامل کیا جائے گا۔ اس لیے مقالہ نگار حضرات سے گزارش ہے کہ آئندہ اپنے مقالات کے ساتھ انگریزی زبان میں ان کے خلاصے (ایک صفحہ سے کم) بھی ارسال کیا کریں۔

☆ الحمدللہ ادارہ کے کیمپس میں مسجد کی تعمیر کا کام جاری ہے۔ پہلی منزل کی چھت پڑ چکی ہے۔ اس وقت پلاسٹر ہو رہا ہے۔ امید ہے کہ تین چار ماہ کے اندر اس میں باقاعدہ نماز کا سلسلہ شروع ہوجائے گا۔

فہرست مضامین سہ ماہی تحقیقاتِ اسلامی علی گڑھ، جلد۳۲، ۲۰۱۳ء

مضامین	مضمون نگاران	شمارہ	صفحات
حرف آغاز			
قرآن مجید ایک معجزہ	سید جلال الدین عمری	۱	۱۲-۵
اسلامی علوم میں تحقیق کا طریقۂ کار	،،	۲	۱۳۴-۱۲۵
رحمِ مادر کا اجرت پر حصول- اسلام کا نقطۂ نظر	محمد رضی الاسلام ندوی	۳	۲۵۷-۲۴۵
نکاح کے بغیر جنسی تعلق- نظامِ خاندان کی تباہی	،،	۴	۳۸۰-۳۶۵
تحقیق وتنقید			
امام سرخسی کا فقہی اسلوب (المبسوط کا تجزیاتی مطالعہ)	ڈاکٹر محمد سلیمان اسدی	۱	۳۳-۱۳
برصغیر ہند میں بچوں کا سیرتی ادب	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۱	۶۶-۳۵
سیرت نبوی کے مآخذ پر جدید اردو تحقیقات	پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی	۲	۱۵۸-۱۳۵
زبانوں میں اخذ واستفادہ کی خصوصیت (عربی زبان کا خصوصی جائزہ)	ڈاکٹر حفصہ نسرین	۲	۱۸۴-۱۵۹
اسلام کا نظام تکافل	مولانا اختر امام عادل	۳	۲۸۶-۲۵۹
قرآن میں ارض وسماء کے مدلولات اور ان کا اعجاز	مولانا انیس الرحمٰن ندوی	۴	۴۰۶-۳۸۱
علامہ ابن قیم اور نقدِ حدیث	ڈاکٹر محمد سلیم	۴	۴۲۰-۴۰۷
بحث ونظر			
اسلام میں فرد کی آزادی کی قانونی حیثیت	مولانا سید اسرار الحق سبیلی	۱	۷۶-۶۷
زوجین کے درمیان منافرت کی صورت میں قاضی اور حکم کے اختیارات	مولانا ولی اللہ مجید قاسمی	۱	۹۲-۷۷
علامہ اقبال کا تصور ملّت	ڈاکٹر علی محمد بٹ	۱	۱۰۳-۹۳
دارِ ارقم - اولین مرکز دعوت	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۲	۲۰۷-۱۸۵
مولانا امین احسن اصلاحی کی تفسیر تدبر قرآن (جلد دوم) کا مطالعہ	جناب سید خورشید حسن رضوی	۲	۲۲۲-۲۰۹
عہد نبوی کا تعلیمی نظام اور موجودہ دور میں اس کی معنویت	پروفیسر ظفر الاسلام اصلاحی	۳	۳۱۲-۲۸۷
موجودہ دور میں سیرت نگاری کے عمومی رجحانات (دعوت اسلامی کے حوالے سے)	ڈاکٹر وارث مظہری	۳	۳۳۰-۳۱۳

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کا تفسیری منہج	جناب ظفر احمد الاثری (لندن)	۳	۳۳۱-۳۵۲
دیگر کروں پر نماز کی ادائیگی کا مسئلہ	ڈاکٹر محمود سلطان کھوکھر	۴	۴۲۱-۴۲۹
غیبت - اقسام اور حدود	ڈاکٹر زاہدہ شبنم	۴	۴۳۱-۴۴۴

سیر وسوانح

مفتی محمد سعد اللہ مرادآبادی اور ان کی تصنیف خلاصۃ النور	ڈاکٹر تبسم صابر	۴	۴۴۵-۴۵۲

ترجمہ وتلخیص

اندلسی مسلمانوں کا دور مظلومی	مترجم: جناب صاحب عالم اعظمی ندوی	۴	۴۵۳-۴۶۸

نقد واستدراک

قرآن میں عورت کی شخصیت	پروفیسر خورشید عالم	۲	۲۲۳-۲۲۹
توضیحات	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۲	۲۳۰-۲۳۴
کیا مکی عہد کی ابتدا میں دعوت خفیہ تھی؟	جناب سید حامد عبد الرحمٰن الکاف	۴	۴۶۹-۴۷۲

تعارف وتبصرہ

کتب سابقہ میں سید المرسلین سے متعلق بشارتیں	ڈاکٹر محمود حسن الہ آبادی	۱	۱۰۵-۱۱۱
کتاب الٰہی کے پانچ مطالبات	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۱	۱۱۱-۱۱۳
برصغیر ہند میں فقہی مخطوطات ومطبوعات-ایک مطالعہ	،،	۱	۱۱۳-۱۱۵
دین میں ترجیحات	مولانا محمد جرجیس کریمی	۱	۱۱۵-۱۱۷
اسلامی عمرانیات (شاہ ولی اللہ کے افکار کا مطالعہ)	،،	۱	۱۱۷-۱۱۸
قرآنی افکار وتعلیمات اور موجودہ دور میں ان کی معنویت	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۲	۲۳۵-۲۳۶
اسلام کی سیاسی فکر اور مفکرین	،،	۲	۲۳۶-۲۳۷
مکتوبات شبلی	،،	۲	۲۳۷-۲۳۸
فتح الخبیر فی مالا بد من حفظہ فی علم التفسیر	،،	۳	۳۵۳- x
مختصر تاریخ ثقافت اسلامی	مولانا محمد جرجیس کریمی	۳	۳۵۴-۳۵۵
اردو ادب کا تہذیبی تناظر	ڈاکٹر محمد شہاب الدین	۳	۳۵۵-۲۵۷
شاہ ولی اللہ کی قرآنی خدمات	مولانا محمد جرجیس کریمی	۴	۴۷۳-۴۷۴

خبرنامہ ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی

	(۴۶) ادارہ	۱	۱۱۹-۱۲۰
،، ،،	(۴۷) ،،	۲	۲۳۹-۲۴۰
،، ،،	(۴۸) ،،	۳	۳۵۹-۳۶۰
،، ،،	(۴۹) ،،	۴	۴۷۵-۴۷۶

فہرست مضمون نگاران سہ ماہی تحقیقات اسلامی علی گڑھ، جلد۳۲، ۲۰۱۳ء

مضمون نگاران	مضامین	شمارہ	صفحات
اثری، ظفر احمد	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کا تفسیری منہج	۳	۳۳۱-۳۵۲
اسدی، محمد سلیمان	امام سرخسی کا فقہی اسلوب (المبسوط کا تجزیاتی مطالعہ)	۱	۱۳-۳۳
اصلاحی، ظفر الاسلام	عہد نبوی کا تعلیمی نظام اور موجودہ دور میں اس کی معنویت	۳	۲۸۷-۳۱۲
الٰہ آبادی، محمود حسن	کتب سابقہ میں سید المرسلین سے متعلق بشارتیں (تبصرہ)	۱	۱۰۵-۱۱۱
بٹ، علی محمد	علامہ اقبال کا تصورِ ملت	۱	۹۳-۱۰۳
تبسم صابر	مفتی محمد سعداللہ مرادآبادی اور ان کی تصنیف خلاصۃ النوادر	۴	۴۴۵-۴۵۲
حفصہ نسرین	زبانوں میں اخذ واستفادہ کی خصوصیت (عربی زبان کا خصوصی جائزہ)	۲	۱۵۹-۱۸۴
خورشید عالم	قرآن میں عورت کی شخصیت	۲	۲۲۳-۲۲۹
رضوی، سید خورشید حسن	مولانا امین احسن اصلاحی کی تفسیر تدبر قرآن (جلد دوم) کا مطالعہ	۲	۲۰۹-۲۲۲
زاہدہ شبنم	غیبت- اقسام اور حدود	۴	۴۳۱-۴۴۴
سہیلی، سید اسرار الحق	اسلام میں فرد کی آزادی کی قانونی حیثیت	۱	۶۷-۷۶
شہاب الدین، محمد	اردو ادب کا تہذیبی تناظر (تبصرہ)	۳	۳۵۵-۳۵۷
صدیقی، محمد یٰسین مظہر	سیرت نبوی کے مآخذ پر جدید اردو تحقیقات	۲	۱۳۵-۱۵۸
عادل، اختر امام	اسلام کا نظامِ تکافل	۳	۲۵۹-۲۸۶
عمری، سید جلال الدین	اسلامی علوم میں تحقیق کا طریقۂ کار	۲	۱۲۵-۱۳۴
،، ،،	قرآن مجید- ایک معجزہ	۱	۵-۱۲
قاسمی، ولی اللہ مجید	زوجین کے درمیان منافرت کی صورت میں قاضی اور حکم کے اختیارات	۱	۷۷-۹۲
الکاف، سید حامد عبدالرحمٰن	کیا مکی عہد کی ابتدا میں دعوت خفیہ تھی؟	۴	۴۶۹-۴۷۲
کریمی، محمد جرجیس	دین میں ترجیحات (تبصرہ)	۱	۱۱۵-۱۱۷
،،	اسلامی عمرانیات (شاہ ولی اللہؒ کے افکار کا مطالعہ) (،،)	۱	۱۱۷-۱۱۸
،،	مختصر تاریخ ثقافت اسلامی (،،)	۳	۳۵۴-۳۵۵

،،	شاہ ولی اللہ کی قرآنی خدمات (،،)	۴	۴۷۳-۴۷۴
کھوکھر محمود سلطان	دیگر کروں پر نماز کی ادائیگی کا مسئلہ	۴	۴۲۱-۴۲۹
محمد سلیم	علامہ ابن قیمؒ اور نقدِ حدیث	۴	۴۰۷-۴۲۰
ندوی، انیس الرحمٰن	قرآن میں ارض وسماء کے مدلولات اور ان کا اعجاز	۴	۳۸۱-۴۰۶
ندوی، صاحب عالم	اندلسی مسلمانوں کا دورِ مظلومی (ترجمہ)	۴	۴۵۳-۴۶۸
ندوی، محمد رضی الاسلام	برصغیر میں بچوں کا سیرتی ادب	۱	۳۵-۶۶
،،	توضیحات (پروفیسر خورشید عالم کے استدراک سے متعلق)	۲	۲۳۰-۲۳۴
،،	دارِارقم - اولین مرکز دعوت	۲	۱۸۵-۲۰۷
،،	رحمِ مادر کا اجرت پر حصول - اسلام کا نقطۂ نظر	۳	۲۴۵-۲۵۷
،،	نکاح کے بغیر جنسی تعلق - نظام خاندان کی تباہی	۴	۳۶۵-۳۸۰
،،	اسلام کا سیاسی فکر اور مفکرین (تبصرہ)	۲	۲۳۶-۲۳۷
،،	برصغیر ہند میں فقہی مخطوطات ومطبوعات-ایک مطالعہ (،،)	۱	۱۱۳-۱۱۵
،،	فتح الخبیر فی مالابدّ من حفظہ فی علم التفسیر (،،)	۳	۳۵۴-x
،،	قرآنی افکار وتعلیمات اور موجودہ دور میں ان کی معنویت (،،)	۲	۲۳۵-۲۳۶
،،	کتاب الٰہی کے پانچ مطالبات (،،)	۱	۱۱۱-۱۱۳
،،	مکتوباتِ شبلی (،،)	۲	۲۳۷-۲۳۸
وارث مظہری	موجودہ دور میں سیرت نگاری کے عمومی رجحانات (دعوت اسلامی کے حوالے سے)	۳	۳۱۳-۳۳۰

پاکستان میں

سہ ماہی تحقیقاتِ اسلامی کے لیے رابطہ کریں:

جناب سجاد الٰہی صاحب، A-27، لوہا مارکیٹ، مال گودام روڈ، بادامی باغ، لاہور

Tel: 0300-4682752, (R)5863609, (0)7280916

Email: abdulhadi_133@yahoo.com

R.No. 38933/81 | Quartely | Mob. 09897655171
Tahqeeqat-e-Islami | Phone: 0571-2902034
October..... 2013 | Aligarh | December.....2013

مولانا سید جلال الدین عمری کی مطبوعات

شمار	نام کتاب	قیمت	شمار	نام کتاب	قیمت
۱	تجلیات قرآن	۳۲۵/	۲۲	خطبات پاکستان	۱۰۰/
۲	اسلام- انسانی حقوق کا پاسبان	۵۵/	۲۳	عصر حاضر میں اسلام کے علمی تقاضے	۵۲/
۳	غیر اسلامی ریاست اور مسلمان	۴۵/	۲۴	انسان اور اس کے مسائل	۴۰/
۴	کم زور اور مظلوم اسلام کے سایہ میں	۵۰/	۲۵	اسلام اور مشکلات حیات	۲۵/
۵	صحت و مرض اور اسلامی تعلیمات	۲۰۰/	۲۶	خدا کی غلامی- انسان کی معراج	۱۴/
۶	خدا اور رسول کا تصور- اسلامی تعلیمات میں	۸۰/	۲۷	اسلام اور وحدت بنی آدم	۱۶/
۷	معروف و منکر	۸۵/	۲۸	اسلام میں خدمت خلق کا تصور	۱۱۰/
۸	اسلام کی دعوت	۱۵۰/	۲۹	انفاق فی سبیل اللہ	۲۰/
۹	غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے حقوق	۱۴۰/	۳۰	دولت میں خدا اور بندوں کا حق	۱۲/
۱۰	تحقیقات اسلامی کے فقہی مباحث	۱۰۰/	۳۱	انسانوں کی خدمت- اسلام کی نظر میں	۱۲/
۱۱	عورت- اسلامی معاشرے میں	۱۸۰/	۳۲	جماعت اسلامی ہند- پس منظر، خدمات اور طریقہ کار	۳۵/
۱۲	مسلمان عورت کے حقوق اور ان پر اعتراضات کا جائزہ	۱۰۰/	۳۳	ہم تحریک اسلامی کے کارکن کیسے بنیں؟	۱۵/
۱۳	عورت اور اسلام	۵۰/	۳۴	ملک و ملت کے نازک مسائل اور ہماری ذمہ داریاں	۳۲/
۱۴	اسلام کا عائلی نظام	۹۰/	۳۵	یہ ملک کدھر جا رہا ہے؟	۲۰/
۱۵	مسلمان خواتین کی ذمہ داریاں	۱۵/	۳۶	وقت حساب	۱۵/
۱۶	قرآن کا نظام خاندان	۱۸/	۳۷	آخرت کے عذاب سے خاندان کو بچایئے	۱۰/
۱۷	بچے اور اسلام	۱۰/	۳۸	اسلام کا شورائی نظام	
۱۸	اسلام- ایک دین دعوت	۱۰/	۳۹	فقہی اختلافات کی حقیقت	۵/
۱۹	دعوت و تربیت- اسلام کا نقطۂ نظر	۵۵/	۴۰	بعض اہم اسلامی اصطلاحات کی تشریح	۱۸/
۲۰	ہندوستان میں اسلام کی دعوت- اہمیت اور تقاضے	۵/	۴۱	سوئے حرم چلا	۳۲/
۲۱	قرآن مجید کا تصور تزکیہ	۱۸/	۴۲	دینی علوم کی تدریس	۱۰/

ملنے کے پتے:

۱- ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی، نئی نگر، پوسٹ بکس نمبر: ۹۳، علی گڑھ-۲

۲- مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، ڈی-۳۰۷، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی-۲۵